ماہنامہ

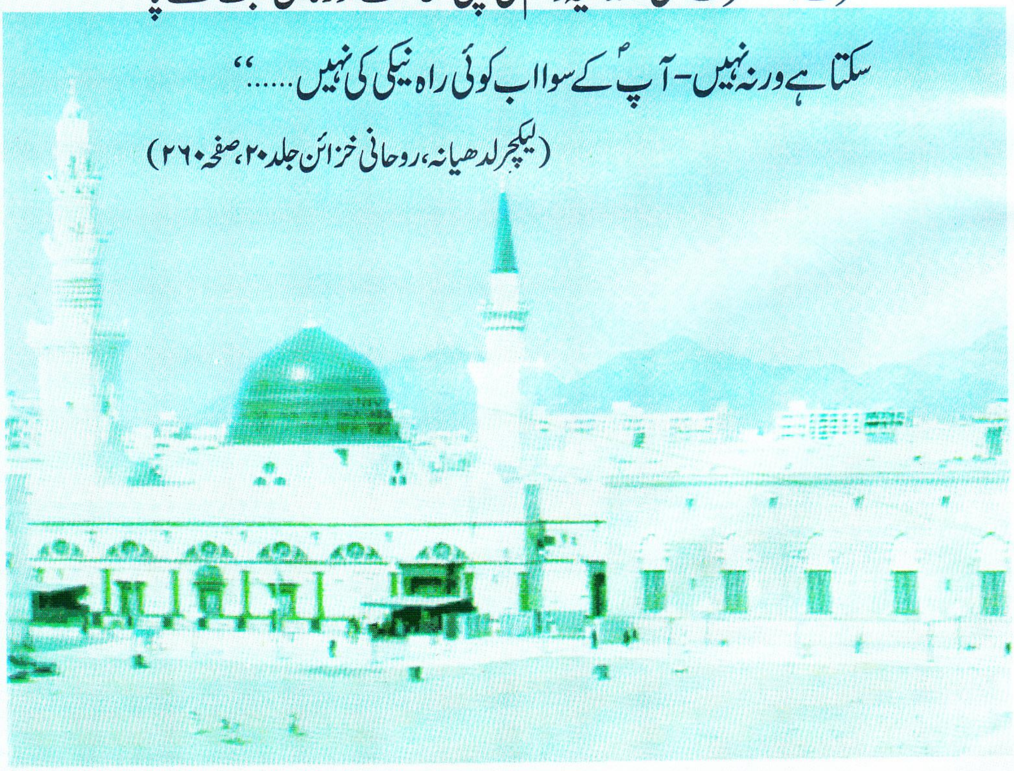
انصار اللہ

''سچی اطاعت اور کامل محبت''

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہؑ فرماتے ہیں:

''......میرا یہی مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پا سکتا ہے وہ صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت اور کامل محبت سے پا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ آپؐ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں......''

(لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۲۰، صفحہ ۲۶۰)



دسمبر ۲۰۰۴ء

ایڈیٹر: نصر اللہ خاں ناصر

عمر کا حساب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''......موت کیا دُور ہے؟ جس کی پچاس برس کی عمر ہو چکی ہے۔ اگر وہ زندگی پالے گا تو دو چار برس اور پالے گا یا زیادہ سے زیادہ دس برس۔ آخر مرنا ہوگا۔ موت ایک یقینی شے ہے جس سے ہرگز ہرگز کوئی بچ نہیں سکتا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگ روپیہ پیسہ کے حساب میں ایسے غلطاں پیچاں رہتے ہیں کہ کچھ حد نہیں۔ مگر عمر کا حساب کبھی بھی نہیں کرتے۔ بدبخت ہے وہ انسان جس کو عمر کے حساب کی طرف توجہ نہ ہو۔ سب سے ضروری اور حساب کے لائق جو شے ہے وہ عمر ہی تو ہے۔ ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے اور یہ حسرت لے کر دنیا سے کوچ کرے۔ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے بہشتی زندگی اسی دُنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ جہنم کی زندگی بھی یہاں ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ جب انسان حسرت کے ساتھ مرتا ہے، تو بہت بڑے جہنم میں ہوتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اب چلا۔ ہیضہ، طاعون، محرقہ، خفقان یا کسی اور شدید مرض میں مبتلا ہوتا ہے، تو موت سے پہلے ایک موت وارد ہو جاتی ہے۔ جو دل اور رُوح کو فرسودہ کر دیتی ہے۔ اور وہ بھی حسرت ہوتی ہے۔ بعض امراض ایسے ہیں کہ دو منٹ میں دم لینے نہیں دیتے اور جھٹ پٹ کام تمام کر دیتے ہیں۔ جس نے ایک دن بھی مطالعہ کیا کہ مَیں مرنے والا جانور ہوں وہ اس عذاب سے بچنے کی فکر میں ہوا جو انسان کو حسرت کے رنگ میں کھا جاتا ہے۔

ہمارے عزیزوں میں سے ایک کو قولنج ہوئی۔ آخر پیشاب بند ہو کر سیاہ رنگ کی قے ہوئی اور اس کے ساتھ ہی گردن لٹک گئی۔ اس وقت کہا کہ اب معلوم ہوا کہ دنیا کچھ چیز نہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ دنیا کوئی چیز نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم سب جو اس وقت یہاں موجود ہیں سالِ آئندہ میں بھی ضرور ہوں گے۔ بہت سے ہمارے دوست جو پچھلے سال موجود تھے، آج نہیں ہیں۔ اُنہیں کیا معلوم تھا کہ اگلے سال ہم نہ ہوں گے۔ اسی طرح اب کون کہہ سکتا ہے کہ ہم ضرور ہوں گے اور کس کو معلوم ہے کہ مرنے والوں کی فہرست میں کس کس کا نام ہے۔''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۴۲۷)

احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماھنامہ

انصار اللہ

ایڈیٹر: نصر اللہ خاں ناصر

فتح ۱۳۸۳ھش - دسمبر ۲۰۰۴ء

جلد نمبر..............................۵۴

شمارہ نمبر..............................۱۲

فون نمبر:۲۱۲۹۸۲-۰۴۵۲۴، فیکس نمبر:۲۱۴۶۳۱-۰۴۵۲۴

اس شمارہ میں

پبلشر: عبدالمنان کوثر
پرنٹر: سلطان احمد ڈوگر
ڈیزائن اینڈ کمپوزنگ: انیس احمد

مقام اشاعت: دفتر انصار اللہ
دارالصدر جنوبی ربوہ (چناب نگر)
مطبع: ضیاء الاسلام پریس

شرح چندہ: (پاکستان)
سالانہ..........ایک سو روپیہ
قیمت فی پرچہ......۱۰ روپے

اداریہ

لمبی عمر پانے کا نسخہ

انسان کی فطری اور طبعی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس دنیائے رنگ و بو میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارے اور اس کی نعماء سے زیادہ سے زیادہ متمتع ہو۔ اگر کوئی لمبی عمر بھی پالے اور ایک صدی کی بہاریں بھی دیکھ لے تو پھر بھی اپنے دمِ واپسیں یہ تڑپ رکھتا ہے کہ اسے کچھ اور وقت مل جائے کہ وہ دنیا کی بہاریں اور رنگینیاں دیکھ لے۔ یہ دنیائے فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے سوا ہر شئے کو فنا ہے۔ مگر بقا اور جاودانی زندگی پانے کے لئے اسی ذات اقدس کی رضا حاصل کرنا اور اسی کی خاطر فنا قبول کرتا ہے۔ ظاہری وجود کو اگرچہ ثبات نہیں مگر ایسے اعمال جو اخلاص بھری قربانیوں سے ہوں انہیں دوام حاصل ہے۔ اور یہی صحیح دوام زندگی ہے۔

انسان کی طبعی اور فطری خواہش کا انحصار اس کے احوال و اعمال پر ہے۔ اگر وہ نافع وجود بنتا ہے اور بنی نوع انسان کے لئے اس سے ہر قسم کی قربانیاں صادر ہوتی ہیں۔ تو اس کی درازیٔ عمر کے لئے ہر دل میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ اس کا ایک نسخہ تو ہمدردی کی دعا ہے جس میں کوئی بوجھ نہیں پڑتا مگر اس کا فیض بہت وسیع ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''جب تک انسان انسان ہے وہ دوسرے کے لئے دعا کرسکتا ہے اور فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا فیض بہت وسیع ہے اور اگر ہمدردی سے انسان کام نہ لے تو سمجھو بہت ہی بڑا بدنصیب ہے...... میرا تو یہ مذہب ہے کہ دعا میں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے۔ جس قدر دعا وسیع ہوگی اسی قدر فائدہ دعا کرنے والے کو ہوگا......''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۰۷)

اس خواہش کی تکمیل کا ایک اور کارگر نسخہ حضرت اقدسؑ نے یوں بیان فرمایا۔

''دُوسروں کے لئے دُعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دُوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں، اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد:۱۸) اور دوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں، اس لئے خصوصیت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جاسکتی ہے۔ وہ یہی دعا کی خیر جاری ہے جبکہ خیر کا نفع کثرت سے ہے تو اس آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دُعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو دُنیا میں خیر کا موجب ہوتا ہے۔ اس کی

عمر دراز ہوتی ہے اور جو شرّ کا موجب ہوتا ہے۔ وہ جلدی اُٹھا لیا جاتا ہے۔...... انسان کو لازم ہے کہ وہ خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ بننے کے واسطے سوچتا رہے اور مطالعہ کرتا رہے۔ جیسے طبابت میں حیلہ کام آتا ہے۔ اسی طرح نفع رسانی اور خیر میں بھی حیلہ ہی کام دیتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اس تاک اور فکر میں لگا رہے کہ کس راہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔'' (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۵۳)

THE RAT RACE

مادہ پرست معاشرے کی ایک علامت یہ ہے کہ اس میں ہر شخص مادی ترقیات اور دنیوی ساز و سامان کے حصول میں ہر دوسرے شخص سے آگے نکلنا چاہتا ہے۔ انگریزی زبان میں اس دوڑ کو The Rat Race کہا جاتا ہے۔ اس کا خاصا یہ ہے کہ سب ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی خواہش کو گویا مقصد حیات بنا لیتے ہیں۔ انسان جب دوسرے کو دیکھ کر اپنی منزل اور راستے کا تعین کرتا ہے تو درحقیقت وہ اپنی ذات کو بھول رہا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ حقیقی ترقی کرنے کے لئے اُس کے واسطے کیا چیز بہتر ہے بلکہ وہ محض دوسروں کو نیچا دکھانے کے لئے اُس سے بہتر حاصل کرنا چاہتا ہے جو دوسروں کے پاس ہے۔ دوسروں سے آگے نکلنا ایک فطری جذبہ ہے مگر یہ اُس جذبے کا غلط اظہار ہے جس کے پس منظر میں جہالت اور احساس کمتری کارفرما ہوتی ہے۔ اور وسیع انسانی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اس قسم کی دوڑ کا کوئی ایسا اختتام نہیں ہے جہاں پہنچ کر انسان فاتحانہ مسرت حاصل کر سکے۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ حسد کی آگ بھڑکتی چلی جاتی ہے اور دل کا چین اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ اور بالآخر انسان کو یہ احساس ضرور ہو جاتا ہے کہ وہ جسے پانی سمجھ رہا تھا وہ تو محض ایک سراب تھا۔ قرآن کریم میں سورۃ النساء آیت نمبر ۳۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ ......"

ترجمہ: اور اللہ نے جو تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اس کی حرص نہ کیا کرو۔ مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو وہ کمائیں۔ اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو وہ کمائیں۔ اور اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔

قرآن کریم کا یہ پیغام انسان کو حقیقی ترقی کے راستے پر گامزن کر کے اُسے سچی مسرت عطا کر سکتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ دوسروں کو جو نعماء حاصل ہیں اُن کے حریص نہ بنو بلکہ اپنے لئے خدا تعالیٰ سے فضل کے طالب بنو۔

امام الکلام

''وہ کام کرو جو اولاد کے لئے بہترین نمونہ اور سبق ہو''

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اولاد کے لئے کچھ مال چھوڑنا چاہئیے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ مال چھوڑنے کا تو ان کو خیال آتا ہے۔ مگر یہ خیال ان کو نہیں آتا کہ اس کا فکر کریں کہ اولاد صالح ہو طالح نہ ہو۔ مگر یہ وہم بھی نہیں آتا اور نہ اس کی پروا کی جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسے لوگ اولاد کے لئے مال جمع کرتے ہیں اور اولاد کی صلاحیت کی فکر اور پروا نہیں کرتے۔ وہ اپنی زندگی ہی میں اولاد کے ہاتھ سے نالاں ہوتے ہیں اور اس کی بداطواریوں سے مشکلات میں پڑ جاتے ہیں اور وہ مال جو انہوں نے خدا جانے کن کن حیلوں اور طریقوں سے جمع کیا تھا آخر بدکاری اور شراب خوری میں صرف ہوتا ہے اور وہ اولاد ایسے ماں باپ کے لئے شرارت اور بدمعاشی کی وارث ہوتی ہے۔

اولاد کا ابتلاء بھی بہت بڑا ابتلاء ہے۔ اگر اولاد صالح ہو تو پھر کس بات کی پروا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (الاعراف:۱۹۷) یعنی اللہ تعالیٰ آپ صالحین کا متوّلی اور متکفل ہوتا ہے۔ اگر بدبخت ہے تو خواہ لاکھوں روپیہ اس کے لئے چھوڑ جاؤ۔ وہ بدکاریوں میں تباہ کر کے پھر قلاش ہو جائے گی اور ان مصائب اور مشکلات میں پڑے گی جو اس کے لئے لازمی ہے جو شخص اپنی رائے کو خدا تعالیٰ کی رائے اور منشاء سے متفق کرتا ہے وہ اولاد کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے اور وہ اسی طرح پر ہے کہ اس کی صلاحیت کے لئے کوشش کرے اور دعائیں کرے۔ اس صورت میں خود اللہ تعالیٰ اس کا تکفّل کرے گا۔ اور اگر بدچلن ہے تو جائے جہنم میں اس کی پروا تک نہ کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ مَیں بچہ تھا۔ جوان ہوا۔ اب بوڑھا ہو گیا۔ مَیں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت رکھتا ہے۔

پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لئے سعی اور دُعا کرو۔ جس قدر کوشش تم ان کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو۔

خوب یاد رکھو کہ جب تک خدا تعالیٰ سے رشتہ نہ ہو اور سچا تعلق اس کے ساتھ نہ ہو جاوے۔ کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی۔......''

(ملفوظات جلد چہارم، صفحہ ۴۴۳-۴۴۴)

کلام الامام

ناجائز اخراجات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ''المصلح الموعودؓ'' فرماتے ہیں:

''......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ مرد زیور نہ پہنیں۔ وہ ریشم استعمال نہ کریں۔ اسی طرح سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ عورتوں کے لئے زیور حرام نہیں مگر ان کے لئے بھی عام حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیورات کو ناپسند فرمایا ہے۔ گو اس وجہ سے کہ وہ مقامِ زینت ہیں زیورات کا استعمال ان کے لئے پوری طرح منع نہیں کیا۔ مگر (دین) اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ زیورات پر اس قدر روپیہ خرچ کیا جائے کہ ملک کی اقتصادی حالت کو نقصان پہنچ جائے یا انہیں اس قدر زیورات بنوا کر دیئے جائیں کہ اُن میں تفاخر کی روح پیدا ہو جائے یا اُس کے نتیجہ میں لالچ اور حرص کا مادہ ان میں بڑھ جائے۔ اُن کے لئے زیورات کی اجازت ہے مگر ایک حد کے اندر۔ لیکن مردوں کے لئے زیورات کا استعمال قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ برتن جو سونے چاندی کے ہوں اُن کا استعمال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں وہ اشیاء بھی آ جاتی ہیں جو عام طور پر محض زینت یا تفاخر کے لئے امراء اپنے مکانوں میں رکھتے۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ اپنے مکان کی زینت کے لئے ایسی ایسی چیزیں خرید لیتے ہیں جن کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض لوگ چینی کے پرانے برتن خرید کر اپنے مکانوں میں رکھ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک بڑی قیمتی چیز خریدی ہے۔ یوروپین لوگوں میں خصوصیت کے ساتھ یہ نقص ہے کہ وہ پانچ پانچ دس دس ہزار روپیہ تک اس قسم کے برتن خرید لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ وہ برتن ہیں جو آج سے اتنے ہزار سال پہلے کے ہیں۔ یا پرانے قالین بڑی بڑی قیمت پر خرید کر اپنے مکانوں میں لٹکا لیتے ہیں حالانکہ ویسے ہی قالین پچاس ساٹھ روپیہ میں آسانی سے مل جاتے ہیں۔ لیکن محض اس لئے کہ وہ لوگوں کو یہ بتا سکیں کہ یہ قالین فلاں بادشاہ کا ہے یا فلاں زمانہ کا ہے۔ وہ بہت کچھ روپیہ اس کے خریدنے پر برباد کر دیتے ہیں۔...... یہ سب لغو چیزیں ہیں اور ان میں کوئی حقیقی فائدہ نہیں صرف دولت کے اظہار کے لئے لوگ ان چیزوں کو خریدتے اور اپنے روپیہ کو برباد کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو عملاً ناجائز قرار دے دیا ہے اور فرمایا ہے کہ مومن کا یہ کام نہیں کہ ان لغو کاموں میں اپنے وقت کو ضائع کرے اور اس قسم کی بیکار چیزوں پر اپنے روپیہ کو برباد کرے۔ آج کل کے لحاظ سے سینما اور تھیٹر وغیرہ بھی اس حکم کے نیچے آ جائیں گے۔ کیونکہ سینما اور تھیٹروں وغیرہ پر بھی ملک کی دولت کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع چلا جاتا ہے......''

(اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۵۵-۵۶)

عربی منظوم کلام

عَیْنُ الْمَعَارِفِ کُلِّھَا اٰتَاہُ حِبٌّ مُبْتَغیٰ

تمام معارف کا چشمہ خدا تعالیٰ نے قرآن کو دیا

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ھُدیٰ یَوْمًا فَیَوْمًا فِی الشَّغَا

اس کی ہدایتیں نورٌ علیٰ نور ہیں - اور دن بدن وہ نور زیادتی میں ہے

فِیْھَا الْعُلُوْمُ جَمِیْعُھَا وَحَلِیْبُھَا لِمَنِ ارْتَغَا

اور اس میں تمام علم ہیں اور اس میں علوم کا دودھ ہے اس کے لئے جو اوپر کا حصہ کھا رہا ہے

فِیْھَا الْمَعَارِفُ کُلُّھَا وَقَلِیْبُھَا بَلْ اَبْلَغَا

اور اس میں تمام معارف اور ان کا کنواں بلکہ اس سے زیادہ ہے

مَنْ جَاءَہٗ مُتَبَخْتِرًا وَاَرَیٰ مُدیٰ اَوْ مِبْزَغَا

جو شخص اس کے آگے تکبّر سے خراماں آیا اور اپنی کاردیں اور نشتر دکھلائے

وَیْلٌ لِّمَنْ بَزَغَتْ لَہٗ شَمْسٌ فَعَادیٰ مَبْزَغَا

اس شخص پر واویلا ہے جس کے لئے سورج چمکا اور پھر وہ مطلع الشّمس سے دشمنی کرنے لگا

مَنْ فَرَّ مِنْ فَیْضَانِہِ الْاَعْلٰی وَ مِمَّا اُفْرِغَا

جو شخص اس کے فیضان سے اور فیضان شدہ باتوں سے بھاگا

مَا کَانَ قَلْبًا تَائِبًا بَلْ کَانَ لَحْمًا اُسْلِغَا

وہ رجوع کرنے والا دل نہیں تھا بلکہ وہ ایک ایسا گوشت تھا جو گداز نہ ہوا

(نورالحق روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۱۶۴-۱۶۵)

فارسی منظوم کلام

O

اَے سرِ خود کشیدہ از فُرقاں پا نہادہ بہ لُجّۂ طغیاں!

اے وہ جس نے قرآن کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے- اور سرکشی کے گڑھے میں پاؤں رکھا ہے

بانگ کم کُن بہ پیشِ نورِ ہُدیٰ توبہ کُن از فسوس و باز یہا

نورِ ہدایت کے سامنے اتنی شیخی نہ مار اور تمسخر اور کھیل سے توبہ کر

ایں چہ چشمے ست کور و سخت کبود کافتاب در و چو ذرّہ نمود!

یہ آنکھ کیسی اندھی اور منحوس ہے- جس میں آفتاب ذرّہ کے برابر نظر آتا ہے

تانگیری کنارہ زیں رہ و خو ہست دُور از کنار کشتی تو

جب تک تو اس طریقہ اور عبادت کو نہیں چھوڑتا- تب تک تیری کشتی کنارے سے دور رہے گی

مہرِ تاباں چوبر فلک زخشید چوں توانی بخاک و خس پوشید

جب آسماں پر چمکتا ہوا سورج نکل آیا- پھر تو کس طرح اسے مٹی اور گھاس سے چھپا سکتا ہے

آں چراغ ہُدیٰ ست دُنیا را رہبر و رہنما ست دُنیا را

وہ تو تمام دنیا کے لئے ہدایت کا چراغ ہے اور جہان بھر کے لئے رہبر اور رہنما

پُر ز نورِ جلالِ حضرتِ پاک خورِ تاباں زاوجِ حق بر خاک

وہ اُس پاک ذات کے جلالی انوار سے پُر ہے- چمکدار سورج بھی اس کے سامنے خاک ہے

وہ چہ دارد خزائنِ اسرار دل و جانم فدائے آں انوار

وہ کیا کیا خزانے اسرار الٰہی کے رکھتا ہے- میرے جان و دل ان انوار پر قربان ہوں

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ ۳۵۹-۳۶۰)

سود کے چند بدنتائج

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف Islam's Response to Contemporary Issues میں سے اس مضمون کے ایک حصے کا اردو ترجمہ ہدیہ قارئین ہے۔

سود اور افراطِ زر: اسلام کے اقتصادی نظام میں سود کا قطعاً کوئی عمل داخل نہیں ہے۔ کوئی تاریخی یا حالیہ شہادت نہیں ملتی کہ سود کے نہ ہونے کے نتیجے میں افراطِ زر کی مصیبت خوفناک حد تک بڑھ گئی ہو اور قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی ہوں۔ سود کا ہونا یا نہ ہونا افراطِ زر پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اس کے موازنہ کا ایک دلچسپ موقع موجودہ زمانہ میں پیدا ہوا۔ ماؤزے تنگ کی قیادت میں چین کی حکومت نے بہت سے اقتصادی تجربات کئے ان میں سے بعض تو کامیاب نہ ہو سکے مگر بعض کے بہت شاندار نتائج نکلے۔ ماؤزے تنگ کے سارے دور میں افراطِ زر میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بالآخر مجموعی پیداوار میں اضافہ کا رجحان پیدا ہوا اور قیمتیں گرنی شروع ہو گئیں۔ چین کے برعکس اسرائیل میں (جو شاید دنیا بھر میں سرمایہ دارانہ نظام کا سب سے بڑا نمائندہ ملک ہے) افراطِ زر کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ریکارڈ کی گئی ہے۔ البتہ لاطینی امریکہ کے ممالک یقیناً ایک استثناء ہیں اسی طرح یورپ خصوصاً جرمنی میں جنگ عظیم دوم کے فوراً بعد افراطِ زر میں بے تحاشا اضافہ ضرور ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ لیکن جنگ کے بعد سارے یورپ کو ایک غیر معمولی صورتحال کا سامنا تھا اور یہ اضافہ بھی اسی کا نتیجہ تھا۔ پس عام حالات میں کسی بھی معیشت میں سود کے کردار کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ افراطِ زر اور سود دونوں لازم و ملزوم ہیں۔......

سودی قرض کے بدنتائج: سود کے بعض دیگر پہلوؤں کا ذکر یہاں بے محل نہیں ہوگا۔ بینک باہمی لین دین میں جس شرح سے سود ادا کرتے ہیں وہ بڑے پیمانہ پر جمع کروائے گئے سرمایہ پر ہی لاگو ہوتی ہے۔ عام سیونگ اکاؤنٹس پر اس شرح سے سود ادا نہیں کیا جاتا۔ باوجود اس کے کہ اصل زر اور سود سے حاصل ہونے والی رقوم پر سود ملتا ہے پھر بھی چھوٹے اکاؤنٹس پر ملنے والا سود پیسے کی حقیقی قوت خرید سے بہت کم ہوتا ہے۔ اگرچہ سود کی قلیل المیعاد شرح کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ مگر دیکھا جائے تو انجام کار چھوٹے ڈیپازٹ کے ذریعہ کمایا جانے والا سود افراطِ زر کی شرح سے کم ہوتا ہے۔ دوسری طرف اگر اتنا ہی سرمایہ کاروبار میں لگایا جائے تو اس میں بڑھنے کی درحقیقت بڑی گنجائش ہوتی ہے۔

سودی معاشرہ میں سرمایہ دار قرض دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ قرض لینے والا رقم لوٹا بھی

سکے گا یا نہیں۔ جہاں تک قرض لینے والوں کا تعلق ہے ان میں سے چند ہی ہیں جو سنجیدگی سے غور کرتے ہیں کہ ان میں قرض کو لوٹانے کی طاقت بھی ہے یا نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ شائی لاک (Shylock) جیسے ظالم ساہو کاروں اور بڑے بڑے مالی اداروں اور بینکوں سے قرض لینا دراصل مستقبل کی اپنی ہی آمدنی میں سے قرض لینے کے مترادف ہے۔ سودی قرض کے یوں بآسانی مل جانے سے اپنی چادر دیکھے بغیر پاؤں پھیلانے کی عادت اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ لوگ زیادہ خرچ کرنے لگ جاتے ہیں اور ان کی قرض لوٹانے کی طاقت کم ہوتی جاتی ہے۔ ایسے معاشرہ میں صارفین کی مانگ کو پورا کرنے کے لئے پیداوار میں اضافہ تو ہو جاتا ہے لیکن یہ غیر حقیقی اضافہ ہوتا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں معیار زندگی کو بلند تر کرنے کی دوڑ ایک جنون کی شکل اختیار کر چکی ہو وہاں اشیائے صرف کے نت نئے ماڈلوں کی تشہیر سے یہ جنون بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ ان اشتہارات کے ذریعہ عوام امراء کے پرتعیش طرز زندگی سے متعارف ہوتے ہیں۔ نئے سے نئے ڈیزائن کے فرنیچر کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ تفریحی مقامات پر بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے پرتعیش گھر اور ان میں طرح طرح کے برقی مشینی آلات سے آراستہ جدید طرز کے باورچی خانے اور غسل خانے ان کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کم استطاعت رکھنے والے لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے نہ چاہتے ہوئے بھی اس جھوٹی چکا چوند کا پیچھا کرنے لگ جاتے ہیں جو سود پر انہیں بآسانی مل جاتی ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ خرچ آمد سے بڑھ جاتا ہے۔ اگر وہ اپنا قرض بلاسود بھی واپس کریں تو پھر بھی قرض اگرچہ موجودہ قوت خرید کو تو بظاہر بڑھاتا ہے لیکن دراصل مستقبل کی قوت خرید کا گلا گھونٹ کر رکھ دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ایک ہزار ڈالر ماہوار کماتا ہے اور فرض کریں کہ وہ چالیس ہزار ڈالر قرض لے کر مہنگی اشیاء خریدتا ہے۔ اب اس شخص کی قرض واپس کرنے کی قوت کا تعین اس کی ماہانہ بچت سے ہی ہوگا۔ فرض کریں کہ وہ اپنا پیٹ کاٹ کر بمشکل چھ سو ڈالر ماہوار میں گزارہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس صورت میں اس کی ماہوار بچت چار سو ڈالر ہوگی۔ اس تنگ بجٹ میں اسے آئندہ ایک سو ماہ گزارہ کرنا ہوگا تا کہ وہ اس قرض کو اتار سکے جو چالیس ہزار ڈالر کے شاہانہ خرچ کی وجہ سے اسے اٹھانا پڑا تھا حالانکہ ابھی یہ قرض سود کے بغیر تھا۔ ہوا یہ ہے کہ اس نے اپنے مستقبل کے ایک سو ماہ یعنی آٹھ سال چار ماہ سے یہ رقم ادھار لی ہے تا کہ اسے اس سارے عرصہ کے آغاز میں ہی خرچ کیا جا سکے۔ اس کا فائدہ اسے صرف یہ ہوا کہ آٹھ سال تک انتظار کرنے کی بجائے اس کی خواہش کی فوری تکمیل ہو گئی اور اس کی بے صبری کو قرار آ گیا۔ لیکن اگر اسے چالیس ہزار کے قرض پر سود بھی ادا کرنا پڑتا ہے تو پھر وہ اس سے کہیں زیادہ بدتر حالت کا شکار ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر شرح سود چودہ فیصد ہے تو اس کا کل قرض جو اس نے واپس کرنا ہے اس اصل رقم سے کہیں زیادہ بنتا ہے جو اس نے قرض لی تھی۔ پس اس کی قرض واپس کرنے کی طاقت مزید کم ہو جائے گی اور عرصہ ادائیگی بہت طویل ہو جائے گا۔ ایسے شخص کو قریباً بیس سال تک صبر کے ساتھ اپنی بے صبری کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اسے ماہانہ پانچ سو ڈالر کے حساب سے قرض واپس کرنا پڑے گا اور سود در سود کی وجہ سے تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار ڈالر کی ادائیگی کرنی ہوگی۔ اب دیکھئے نقصان یقینی طور پر قرض خواہ کو نہیں بلکہ قرض دار کو اٹھانا پڑے

گا- قرض خواہ تو ایک بہت بڑے طاقتور استحصالی نظام کا حصہ ہے جو افراطِ زر اور قرض کے ضائع ہو جانے کے امکانات کا جائزہ لینے کے بعد ہی اس ضمانت پر قرض دیتا ہے کہ آخر کار اس کی تجوری اور زیادہ بھر جائے گی- مگر افراطِ زر کے نتیجہ میں قرض لینے والے کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو جائے گی اور اس کی قوت خرید میں مسلسل کمی ہوتی چلی جائے گی- اگر پہلے چھ سو ڈالر ماہوار میں بمشکل گزارہ ہوتا تھا تو اب اتنی رقم میں گزارہ کرنا بالکل ناممکن ہو جائے گا- اور اتنے خوش قسمت تو کم لوگ ہی ہوں گے جن کی سالانہ آمد میں اسی قدر اضافہ بھی ہو جائے جس قدر افراطِ زر کی شرح میں اضافہ ہوا ہے-

ایک ایسے معاشرہ میں جہاں لوگ مادی لذات کے پیچھے حد سے زیادہ بھاگ رہے ہوں- وہاں صورت حال اور بھی بگڑ جاتی ہے- چند لمحوں کی شاہ خرچی اور داد عیش کے بعد تنگ دستی کا ایک طویل اور بے کیف زمانہ کاٹنا پڑتا ہے- حالانکہ یہ ان کا اپنا فیصلہ تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح تنگی ترشی میں گزارہ کر لیں گے- نتیجۃً پہلے سے بھی زیادہ لاپرواہی سے اور نتائج و عواقب کی پرواہ کئے بغیر مزید قرض لے لیا جاتا ہے اور اس طرح خرچ آمد سے کہیں زیادہ بڑھ جاتا ہے- درحقیقت آنے والے سالہا سال کی کمائی قرض دینے والے بینکوں اور اسی قسم کے دوسرے مالی اداروں کے پاس رہن رکھ دی جاتی ہے- سودی اقساط کی ادائیگی کا بوجھ بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل مقروض کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں- ان حالات میں معیشت بڑی سرعت کے ساتھ خوفناک بحران کی طرف بڑھنے لگتی ہے- آخر آپ کب تک اپنے مستقبل کو حال کے پاس رہن رکھ سکتے ہیں- غیر ذمہ دارانہ اور بے دریغ قسم کی فضول خرچیاں ایک دن لازماً رنگ لائیں گی- اور آپ ایک زبردست مالی بحران میں مبتلا ہو جائیں گے- افراطِ زر میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا- افراط زر کا مقابلہ کرنے کے لئے سود کی شرح میں اضافہ ہوگا اور لوگوں کے پاس خرچ کرنے کو پیسے کم رہ جائیں گے جس کا نتیجہ معاشی تباہی کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا- اگر یہ صورت حال ایک ملک تک محدود رہے تب بھی ناقابلِ قبول ہے لیکن جب انہی وجوہات کی بنا پر دنیا بھر کے ممالک معاشی زوال کا شکار ہو جائیں تو پھر عالمی بدحالی کے مہیب سائے بنی نوع انسان کو گھیر لیتے ہیں- یہی اقتصادی بدحالی ہے جو عالمی جنگوں اور عظیم تباہیوں کا راستہ ہموار کیا کرتی ہے- لوگ دیوالیہ ہو جاتے ہیں، کاروبار تباہ ہو جاتے ہیں، تجارتی سرگرمیاں ماند پڑ جاتی ہیں، بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہونے لگتا ہے اور پراپرٹی یعنی جائیداد کا کاروبار تباہ ہونے لگتا ہے- اس ساری صورت حال کے نتیجہ میں چاروں طرف جو مایوسیاں اور ناکامیاں پیدا ہوتی ہیں وہ بے گھر لوگوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتی ہے، محرومیاں بڑھ جاتی ہیں، دھوکہ دہی اور جرائم میں اضافہ ہو جاتا ہے- اگر یہ سب کچھ درحقیقت دنیا میں واقع ہو جاتا ہے تو اس میں حیرانگی کی بات ہے خصوصاً سرمایہ دارانہ نظام کے علمبرداروں کو تو ذرہ بھی حیران نہیں ہونا چاہئے-

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں یہ صورت حال ان افراد تک ہی محدود نہیں رہتی جنہیں اس قدر قرض دیا گیا ہو کہ واپس کرنا ان کی استطاعت سے باہر ہو جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس عمل سے سارے صنعتی مستقبل کو ایک حد تک فائدہ بھی ہوتا ہے- اپنے ملک میں تیار کی جانے والی مصنوعات کی قیمت کم کرنے میں مدد ملتی ہے اور صارفین کے ہاتھوں میں دولت آ

جانے سے ان کی قوت خرید میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا اثر قومی صنعت کی پیداواری صلاحیت پر پڑتا ہے۔ طلب میں اضافہ کے نتیجہ میں پیداوار میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اس طرح یہ اضافہ قیمتوں میں کمی کا باعث بنتا ہے اور قومی صنعت عالمی منڈی میں بہتر مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ بظاہر یہ نظارہ بڑا ہی دلکش اور امید افزا نظر آتا ہے لیکن جلد ہی یہ حسین منظر ایک خواب پریشان کا روپ دھار لیتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ سارا معاشرہ اپنی بے صبری اور آمد سے بڑھ کر خرچ کرنے کے باعث بینکوں کے قرض میں جکڑا جاتا ہے اور معاشرہ کی قوت خرید کم ہوتے ہوتے اپنی آخری حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس صورت میں ملکی صنعت کے پاس اپنی بقا کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ بیرونی منڈیاں تلاش کرے بصورت دیگر کوالٹی اور قیمتوں کے لحاظ سے دوسروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ملک کی اقتصادی بنیاد جس قدر چھوٹی ہوگی اسی قدر جلد صنعتی ترقی کا سفر ایک ایسے مقام پر آ کر رک جائے گا جہاں سے آگے کوئی راستہ دکھائی نہیں دے گا۔ لیکن اگر معاشی بنیاد وسیع تر ہو گی تو اس سے صرف یہ فرق پڑے گا کہ آنے والے اقتصادی بحران کا حقیقی احساس ذرا دیر سے ہوگا۔

آیئے ایک نظر ریاست ہائے متحدہ امریکہ پر ڈالتے ہیں کہ وہاں کیا ممکنہ صورت حال ہو سکتی ہے۔ بلاشبہ امریکہ کی اپنی مارکیٹ ہی اتنی بڑی ہے کہ جو اس کی صنعت کو سہارا دے سکتی ہے یہاں تک کہ بعض ماہرین اقتصادیات کا خیال ہے کہ اگر امریکہ باقی ساری عالمی برادری سے کٹ کر الگ بھی ہو جائے تو بھی اس کی اپنی مارکیٹ کی وسیع بنیاد اس کی صنعت کی بقاء کے لئے کافی ثابت ہوگی۔ لیکن ایسے ماہرین بعض دیگر متعلقہ عوامل کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر آپ فرد واحد کی مذکورہ بالا مثال کو امریکہ کی صورت حال پر چسپاں کریں تو آپ کو صاف دکھائی دینے لگے گا کہ یہاں بھی منطقی انجام وہی ہوگا جس کا ذکر ہم پہلے ایک فرد کی مثال میں کر چکے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ یہاں معاشی تباہی میں کچھ وقت لگے گا۔

امریکی بجٹ کے بھاری خسارہ اور کھربوں ڈالر کے قرض کو دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ امریکہ بحیثیت مجموعی پہلے ہی اپنی کل آمد سے زیادہ خرچ کر چکا ہے۔ امریکی عوام اپنے مستقبل سے لئے ہوئے بھاری قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو مجموعی طور پر قومی قوت خرید کم ہو جائے گی یا پھر قرض دینے والے ادارے دیوالیہ ہو جائیں گے۔ فرد کی مثال میں ایک محدود معیشت کا سوال تھا اور یہاں ایک وسیع تر معیشت ہمارے پیش نظر ہے۔ جہاں تک قوانین قدرت کا تعلق ہے تو یاد رہے کہ ان قوانین سے کسی کو مفر نہیں کچھ بھی ہو یہ بہر حال اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ پس یہ حالات جہاں بھی ہوں گے فطرت کے قوانین اپنا کردار ضرور ادا کریں گے۔

گرمیوں کی شدت میں تالابوں اور جوہڑوں کا پانی اپنے ماحول کے ساتھ ساتھ بہت جلد گرم ہو جاتا ہے مگر جھیلوں کا پانی گرم ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے اسی طرح چھوٹے سمندر بڑے سمندروں کی نسبت جلد گرم ہو جاتے ہیں۔ سورج کی تمازت سے پانی کا درجہ حرارت بہر حال بڑھتا ہے یہ ایک ناگزیر اور اٹل قانون ہے فرق صرف وقت کا ہے۔ بحر اوقیانوس کے پانیوں کو گرم ہونے میں اتنا زیادہ وقت لگتا ہے کہ جب تک یہ پوری طرح گرم ہوتے ہیں اس کے ساحلوں پر واقع اکثر ممالک

میں موسم سرما کا آغاز ہو چکا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک کی آب و ہوا ان ممالک کی نسبت معتدل ہے جو چھوٹے سمندروں کے گرد واقع ہیں۔ملکوں کی معیشت کا معاملہ بھی سمندروں کی طرح ہے۔قرض لے کر خرچ کرنے کا فلسفہ بنیادی طور پر اتنا ٹیڑھا اور غلط ہے کہ اس سے صحیح اور درست نتائج کی توقع رکھنا حماقت ہے۔

ایک اور اہم اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ ترقی یافتہ اور صنعتی ممالک کی معیشت اور صنعت کے زوال کا اثر غریب اور نسبتاً کم ترقی یافتہ ممالک کی معیشت پر بھی پڑتا ہے۔ اور یہ ممالک بھی ایک مسلسل بڑھتے ہوئے مہیب خطرہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ صنعتی ممالک کے سیاسی لیڈر ایک تو اپنی صنعت کو زوال سے بچانے کے لئے اپنی برآمدات کو بڑھانا چاہتے ہیں دوسرے وہ اپنے عوام کا معیار زندگی بھی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ان ترقی یافتہ صنعتی ممالک کے سیاسی لیڈروں کی اپنی مجبوریاں ہیں۔ ایک تو ان کے عوام جدید سہولتوں کے عادی ہو چکے ہیں اور ان کا معیار زندگی اتنا بلند ہو گیا ہے کہ اسے برقرار رکھنے کے لئے کئی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ دوسرے یہ صنعت اپنی بقا کے لئے زندگی کی تعیشات اور نئی سے نئی ایجادات کی تشہیر کرتی رہتی ہے جس سے عوام کی آتش شوق اور بھی بھڑکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بلند سے بلند تر معیار زندگی کا مطالبہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس مطالبہ کے مسلسل دباؤ کے سامنے کوئی سیاسی حکومت ٹھہر نہیں سکتی۔ ایک طرف سیاسی رہنماؤں نے عوام کے بلند معیارِ زندگی کو قائم رکھنا ہوتا ہے اور دوسری طرف انہیں یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ صنعتی زوال نہ ہو اور نظام معیشت چلتا رہے پس ملکی مصنوعات کی فروخت کے لئے زیادہ سے زیادہ بیرونی منڈیاں تلاش کی جاتی ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کے بلند معیار زندگی کو قائم رکھنے کے لئے تیسری دنیا کے ممالک کا پہلے سے بڑھ کر خون چوسا جاتا ہے۔ روس اور مشرقی یورپ کے ممالک کو اپنے معاشی نظام کی تشکیل نو کے لئے جو چیلنج درپیش ہیں وہ اور کیا ہیں؟ سابقہ اشتراکی دنیا سے ابھرنے والے نئے سرمایہ دار ممالک کو بیرونی منڈیوں کی بڑھتی ہوئی ضرورت آخر کیوں ہے؟ اور پھر مغربی ذرائع ابلاغ نے اپنی مصنوعات کی تشہیر کے ذریعہ جس طرح تیسری دنیا اور سوشلسٹ ممالک کے مفلس وقلاش عوام کی خواہشات اور تمناؤں کو بے چین اور مضطرب کر رکھا ہے کیا اس کا یہی مقصد تو نہیں ہے؟ ان تمام عوامل کو یکجا کر کے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ حالات کرۂ ارض پر کسی مثبت تبدیلی کے آئینہ دار ہرگز نہیں ہیں۔

آپ بھی قلمی معاون بن سکتے ہیں: آپ قلمی معاونت کے ذریعے انصاراللہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ براہِ کرم مندرجہ ذیل امور مدنظر رکھیں۔

(۱) اصل مضامین ادارہ کو بھجوائیں فوٹو سٹیٹ شائع نہ ہوگا۔ حاشیہ چھوڑ کر مضمون صاف اور خوشخط لکھیں۔ (۲) مضامین میں کتب کے مکمل حوالہ جات بمعہ ایڈیشن ضرور دیں۔ (۳) آپ اپنے ایمان افروز واقعات، مختصر مفید معلومات، نئی کتب کا تعارف اور خلاصہ جات وغیرہ بھی بھجوا سکتے ہیں۔ (۴) سائنسی نوعیت کے مضامین میں اصطلاحات کم سے کم استعمال کی جائیں۔ (۵) آپ شائع شدہ مضمون بھی ماخذ کے حوالے کے ساتھ بھجوا سکتے ہیں۔ (۶) آپ اپنے مضامین وغیرہ مندرجہ ذیل ای۔میل ایڈریس پر بھی بھجوا سکتے ہیں۔ ansaar40@yahoo.com , Fax: 04524-214631 (ایڈیٹر)

صحائف قمران کی مرکزی شخصیت

تحریر: مکرم خالد سیف اللہ خان صاحب۔ آسٹریلیا

فلسطین اور شرق اردن کی سرحد پر واقع وادیٔ قمران کے غاروں سے ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۶ء کے دوران جو صحائف دریافت ہوئے تھے (جنہیں Dead Sea Scrolls یا صحائف قمران کہا جاتا ہے) ان کی مرکزی شخصیت کوئی ایسے بزرگ تھے جن کا نام عمداً چھپایا گیا ہے اور انہیں ہر جگہ 'نیک استاد' یا 'نیکی کا استاد' کہہ کر پکارا گیا ہے۔ ایسا غالباً ان کی حفاظت کے پیش نظر کیا گیا تھا کیونکہ بوقت تحریر وہ زندہ ہوں گے۔ وہ بزرگ کون تھے؟ ہر ایک محقق نے اپنے اپنے خیال اور عقیدہ کے مطابق اندازے لگائے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ وہ عیسیٰ بن مریمؑ (Jesus) تھے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے تھے۔ تیسرا خیال یہ ہے کہ وہ عیسیٰؑ کے بھائی جیمز تھے۔

صحائف قمران میں جو کچھ نیک استاد کے بارہ میں بیان کیا گیا ہے یا جو تعلیم انہوں نے اپنے پیروکاروں کو دی یا اپنی نظموں میں خدا کا شکر بجالاتے ہوئے جو کچھ خود اپنے بارہ میں کہا ان پر مبنی کچھ حوالوں کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے تا وہ انصاف سے خود ہی فیصلہ کرسکیں۔ 'نیکی کا استاد' کی شناخت کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ مذہبی تعصب کو اس راہ میں حائل نہ ہونے دیا جائے۔

ان حوالہ جات میں سوائے حوالہ نمبر۲ کے باقی سارے حوالے مندرجہ ذیل کتاب سے اخذ کئے گئے ہیں۔

"The Complete Dead Sea Scrolls in English" by Geza Vermes, published by the Penguin books Ltd, 27 Wrights Lane W8 5TZ London, 1998.

یہ کتاب ۶۴۸ باریک پرنٹ کے صفحات پر مشتمل ہے جس میں تمام دریافت شدہ صحائف کا تعارف اور انگریزی ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں درج پہلے پانچ اقتباسات انگریزی میں بھی دیئے گئے ہیں اور باقی کے ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مندرجہ ذیل اقتباسات کے مطابق 'نیک استاد (The Righteous Teacher) یا 'نیکی کا استاد' (The Teacher of Righteousness) اسرائیلی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا زمانہ عیسائیت کا ابتدائی زمانہ ہے۔ وہ بن باپ پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ نے بچپن ہی کی عمر سے انہیں خدمت دین کے لئے وقف کر کے (غالباً تعلیم و تربیت کی غرض سے) کہیں علیحدہ چھوڑ رکھا تھا۔ جب وہ جوان ہوئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ خدا نے انہیں بنی اسرائیل کی ہدایت اور بائبل

کی صحیح تشریح کرنے کے لئے مبعوث کیا ہے۔ ان کا دعویٰ مسیح ہونے کا تھا۔ انہوں نے ایک نئے مذہبی فرقہ کی بنیاد رکھی۔ وہ تشبیہات و استعارات میں کلام فرماتے۔ نثر کے علاوہ انہوں نے منظوم کلام بھی لکھا جس میں انہوں نے بار بار اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر کیا ہے۔ یہودی علماء ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ بالخصوص بڑا پادری جس کا حکومت سے بھی تعلق تھا جسے صحائف میں Wicked Priest کہا گیا ہے۔

اپنی نظموں میں وہ خدا کا شکر بجالاتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا تو نے مجھے دشمنوں سے اس طرح بچایا جس طرح جال میں پھنسے ہوئے ایک پرندہ کو یا شیروں کے منہ میں آئے ہوئے ایک شکار کو بچایا جائے۔ پھر وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انہیں ایک ایسے دور دراز کے ملک میں پناہ دی جہاں پانی کے چشمے بہتے تھے اور باغات تھے۔ انہوں نے یہ بھی پیشگوئی کی کہ اپنے ظلموں کی وجہ سے یہود قیامت تک مغضوب رہیں گے اور میرے ماننے والے ہمیشہ ان پر غالب رہیں گے۔

جن اقتباسات میں مذکورہ بالا باتیں بیان کی گئی ہیں یا جن میں محققین نے صحائف قمران کا تعارف و تبصرہ پیش کیا ہے ان کا اردو ترجمہ اور اصل انگریزی عبارت درج ذیل ہے۔

صحائف قمران کب لکھے گئے: پروفیسر گیزا ورمز (Geza Vermes) کہتے ہیں:

﴿1﴾ "An almost unanimous agreement soon emerged, dating the discovery, on the basis of palaeography and archaeology, to the last centuries of the Second Temple, i.e. second century BCE to first century CE." (Page 3)

یعنی "حارہی قدیم تحریروں کے پڑھنے کے علم اور آثار قدیمہ کے علم کی مدد سے تقریباً سب کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ ان کا زمانہ ہیکل سلیمانی کے دوسرے ٹمپل کی آخری صدیوں کا تھا یعنی دوسری صدی قبل مسیح اور پہلی صدی عیسوی کا درمیانہ عرصہ۔"

صحائف کو لکھنے والے کون تھے: پروفیسر ڈاکٹر ول وارنر (Dr.Will Varner) لکھتے ہیں:

﴿2﴾ "The contents of the Dead Sea Scrolls indicate that their authors were a group of priests and laymen pursuing a communal life of strict dedication to God. Their leader was called "The Righteous Teacher". They viewed themselves the true elect of Israel.... They opposed the "Wicked Priest" - the jewish high Priest in Jerusalem, who represented the establishment and who had persecuted them in some way." (Dr Will Varner, Professor of Old Testament at " Master's College", Israel quoted by the Christian Answers Network Associates

For Biblical Research, Israel".)

یعنی ''ڈیڈسی سکرولز میں بیان کردہ مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والے کچھ پادری یا غیر پادری گروپ تھے جو بڑی سختی سے خدا کے لئے وقف تھے اور علیحدہ جماعتی حیثیت میں رہتے تھے۔ وہ اپنے امام کو ''نیک استاذ'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور اپنے آپ کو حقیقی منتخب اسرائیلی سمجھتے تھے۔ وہ ''فاسق پادری'' (Wicked Priest) کے مخالف تھے جو یروشلم کا سب سے بڑا مذہبی رہنما تھا اور حکومت کا نمائندہ تھا اور کئی طور پر ان کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا''

صحائف قمران اور انجیل کی زبان میں مشابہت پائی جاتی ہے: صحائف قمران اور انجیل کی زبان میں بعض مشابہتیں پائی جاتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے لکھنے والے ابتدائی عیسائی تھے۔ پروفیسر گیزا ورمز لکھتے ہیں:

﴿3﴾ "We note (a) fundamental similarities of language (both in the Scorlls and in the New Testament the faithful are called 'Sons of light'); (b) ideology (both communities considered themselves as the true Israel, governed by twelve leaders and expected the imminent arrival of the kingdom of God); (c) attitude to Bible (both considered their own history as a fulfilment of the words of the Prophets" (P 22)

یعنی ایک چیز جو نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ (ا) صحائف اور انجیل دونوں کی زبان میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے (مثلاً دونوں میں مومنوں کو 'روشنی کے فرزند' لکھا گیا۔ (ب) نظریاتی بنیاد مشابہ ہے (صحائف اور انجیل دونوں کے گروہ اپنے آپ کو حقیقی اسرائیلی سمجھتے تھے جن کے بارہ سردار تھے۔ نیز دونوں گروہ یقین رکھتے تھے کہ خدا کی حکومت اب آنے والی ہے)۔ (ج) دونوں کا بائبل کے متعلق انداز نظر یکساں تھا۔ (مثلاً دونوں ہی یہ سمجھتے تھے کہ اُن کی تاریخ نبیوں کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا ہے''۔

نیک استاد ایک نئی مذہبی جماعت کے بانی تھے جس کو سخت اذیتیں دی گئیں: پروفیسر گیزا ورمز لکھتے ہیں:

﴿4﴾ The principal novelty provided by the manuscripts consists of cryptic allusions to the historical origins of the community, launched by a priest called "The Teacher of Righteousness", who was persecuted by a Jewish ruler, designated as the "Wicked Priest". The Teacher and his followers were compelled to withdraw into desert, where they awaited the impending

manifestation of God's triumph over evil and darkness in the end of days, which had already begun." (P 3)

یعنی ''صحائف کی سب سے انوکھی بات یہ ہے کہ ان میں اشاروں کنایوں میں ایک ایسی مذہبی جماعت کے آغاز کی تاریخ بیان کی گئی ہے جو اس مناد نے قائم کی تھی جس کو 'نیکی کا استاد' کہہ کر پکارا جاتا تھا اور جسے ایک یہودی حکمران جس کو 'فاسق یا شریر پادری' کہہ کر پکارا گیا ہے مسلسل اذیتیں پہنچاتا رہتا تھا۔ جس کے نتیجہ میں استاد اور اس کے پیروکار کسی بیابان علاقے کی طرف ہٹنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ جہاں وہ خدا سے جلد آنے والے غلبہ کی تجلی کا انتظار کرنے لگے جو آخری زمانہ میں برائی اور تاریکی پر غلبہ پائے گی۔ مگر اُس کا آغاز ہو چکا ہے۔'

پروفیسر گیزا ورمز مزید لکھتے ہیں

﴿5﴾ "Since Qumran and early Christianity overlap, it is not surprising that from the very begining of the 'Dead Sea Scorlls' research, some scholars endeavoured to identify the two." (P 21)..... J.L. Teicher thought the Teacher was Jesus. For Barbara Theiring Jesus was the 'Wicked Priest'; R.H. Eisenman reject both, and prefers James the just, 'the brother of the lord', as the Teacher of Righteousness. Only the sensation-seeking media have been taken in by their theories.... Admittedly, the various fragments of information gleaned through the Dead Sea Scorlls results in an unavoidably patchy story, but it is fundamentally sound, and the continuing anonymity of the Teacher does not impair it.... In my opinion all these theories fail the basic credibility test; they do not spring from, but are foisted on, the text." (P 70,71 & 72)

یعنی ''چونکہ قمران اور ابتدائی عیسائیت کا زمانہ ایک دوسرے پر منطبق ہوتا ہے اس لئے یہ بات کوئی موجب حیرت نہیں کہ صحائف قمران کی تحقیق کے آغاز ہی سے کئی سکالرز دونوں کو ایک ہی قرار دینے کی بہت کوشش کرتے رہے ہیں...... جے۔ ایل۔ ٹیشر (J.L Tiecher) کا خیال تھا کہ استاد دراصل Jesus (عیسیٰ علیہ السلام) تھے۔ باربرا تھیرنگ (Barbara Theiring) کا خیال تھا کہ Wicked Priest عیسیٰ (Jesus) کو کہا گیا ہے۔ آر۔ ایچ آئیزنمین (R.H.Eisenman) ان دونوں اندازوں کو درست نہیں سمجھتا۔ اس کا خیال تھا کہ نیک استاد سے مراد یسوع مسیح کے بھائی جیمز منصف (James the Just) تھے۔ ان سب نظریات کو صرف سنسنی خیز خبروں کے متلاشی میڈیا میں ہی پذیرائی ملی...... ان سب کے باوجود اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صحائف قمران سے معلومات چن کر ایک ایسی پیوند شدہ تصویر ضرور ابھرتی

ہے جس سے گریز ممکن نہیں اور یہ تصویر بنیادی طور پر حقیقی ہے اور باوجودیکہ استاد کی شناخت کو مسلسل مخفی رکھا گیا ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا...... میرے رائے میں یہ ساری تھیوریاں اعتبار کے اس بنیادی اصول پر اس لئے پوری نہیں اترتیں کہ یہ صحائف کے مضامین سے از خود ابھرنے کی بجائے ان کے سر پر منڈھی جاتی ہیں۔''

خاکسار عرض کرتا ہے کہ پروفیسر صاحب درست فرماتے ہیں۔ خدا کے ماموروں کی شناخت خدا سے آنے والی روشنی ہی کی مدد سے ہو سکتی ہے۔

نیکی کے استاد نے اپنے آپ کو کرم خاکی، عاجز، بن باپ اور خدا کا برگزیدہ کہا: نیکی کے استاد نے نثر کے علاوہ منظوم کلام بھی کافی لکھا۔ ان کی نظموں میں خدا کی محبت اور اس کے احسانات پر شکر گزاری کا بہت دلنشین انداز میں ذکر ملتا ہے۔ ان نظموں کو متعارف کراتے ہوئے پروفیسر گیزا ورمز لکھتے ہیں

''صحائف میں شامل نظمیں بائبل کے حمدیہ گیتوں (Hymns) سے ملتی جلتی ہیں۔ ان گیتوں میں زیادہ تر خدا کے شکر کا مضمون پایا جاتا ہے۔ یہ نظمیں انفرادی مناجات پر مبنی ہیں اور اُن نظموں سے مختلف ہیں جو اجتماعی عبادت کی غرض سے لکھی جاتی ہیں اور جن میں مختلف انداز میں بکثرت روحانی باتیں اور عقائد کی تفصیلات بیان کی گئی ہوتی ہیں۔ تاہم صحائف کے مجموعہ میں دو بنیادی مضامین جا بجا ملتے ہیں یعنی نجات اور علم۔ نظموں کو کہنے والا شخص عام دھارے سے الگ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ مسلسل خدا کا شکر بجا لاتا نظر آتا ہے کہ اس نے اس کو شریروں کے ٹولے سے نجات بخشی، اُسے روحانی اسرار کی معرفت عطا کی اور وہ جو محض کرم خاکی (A creature of clay) ہے اس کے مالک نے باوجود نالائق ہونے کے اُسے اپنے ایسے فضلوں کے لئے مخصوص کر لیا جن کا وہ ہرگز حقدار نہ تھا۔ وہ جا بجا اپنی عاجزی اور بے بسی اور خدا پر اپنے کامل توکل کا اظہار کرتا ہے۔'' صفحہ نمبر ۲۴۳-۲۴۴

نیک استاد اپنی ایک نظم میں اپنے آپ کو بن باپ اور عاجز بیان کرتے ہیں جس کو اس کی ماں نے بھی علیحدہ چھوڑ کر خدا کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنی نظم میں خدا کے حضور عرض کرتے ہیں:

''اے خدا تیرا شکر ہے (سبحان اللہ) کہ تو نے ایک بن باپ شخص کو نہ چھوڑا اور نہ اس عاجز کو ذلیل ہونے دیا...... تو ہی میرے بڑھاپے تک میری حفاظت فرمائے گا کیونکہ میرا باپ مجھے جانتا نہ تھا اور میری ماں نے مجھے تیرے سپرد کر دیا تھا۔ پس تو ہی ہے جو ایسوں کے لئے بمنزلہ باپ ہوتا ہے جو تیری سچائی کے فرزند ہوتے ہیں اور تو ان پر اُسی طرح راضی ہوتا ہے جس طرح ایک عورت اپنے بچہ سے پُر شفقت محبت کرتی ہے اور جس طرح ایک پالنے پوسنے والا باپ اپنے ایک بچہ کو اپنی گود میں اٹھاتا ہے تو بھی اپنی مخلوق کی ایسی ہی نگہداشت کرتا ہے۔'' (صفحہ ۲۸۴)

استاد کو خدا تعالیٰ کی توحید خالص پر یقین کامل تھا: استاد اپنی نظم میں خدا سے عرض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

'اے خدا تو ازلی ابدی ہے تیرے طریقے (یا تیری سنّت) ازلی ابدی ہیں اور تیرے سوا کوئی اور نہیں۔' (صفحہ ۲۷۷)

خدا نے استاد کی تائید روح القدس سے کی: نظم میں استاد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ان کی روح القدس سے تائید کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

'اے میرے رب میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے اپنی طاقت سے میری تائید کی۔ تو نے اپنا روح القدس (Holy Spirit) مجھ پر نازل فرمایا تا میرے پاؤں ڈگمگانے نہ پائیں۔' (صفحہ ۲۸۴)

نیک استاد کو مارنے کی ناکام کوشش ہوئی اس کا خون بہا، پر خدا نے اُسے بچالیا اور چشموں والی زمین میں جگہ دی: استاد اپنی نظم میں خدا کے حضور عرض پرداز ہیں:

'اے رب میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے میری جان کو زندوں کی پوٹلی میں رکھا اور گڑھے میں پھینکنے کے لئے جو پھندے تیار کئے گئے تھے تو نے ان سے بچانے کے لئے میرے اردگرد حفاظتی باڑ لگا دی۔ متشدد لوگ میری جان کے پیچھے صرف اس لئے پڑ گئے ہیں کہ میں تیرے عہد سے چمٹا رہا۔ یہ دھوکہ بازوں کا گروہ اور شیطانی ہجوم نہیں جانتے کہ تو نے ہی مجھے کھڑا کیا ہے اور تو ہی اپنے رحم سے میری جان بچائے گا کیونکہ میرے سارے قدم تیری منشاء کے مطابق اٹھتے ہیں۔''

پھر استاد نظم نمبر ۸ (سابقہ نمبر ۳) میں عرض کرتے ہیں: ''اے میرے خالق میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیشہ مجھ پر نظر رکھی۔ تو نے ہی مجھے جھوٹے مفسرین کے تعصب سے بچایا اور نیز خوشامد پسند گروہ سے۔ تو نے اس عاجز کی جان ان سے چھڑائی جنہوں نے تدبیر کی تھی کہ اس کا خون بہا کر اُسے تباہ کر دیا جائے اور یہ صرف اس لئے کہ وہ تیری خدمت میں لگا تھا۔''

نیز استاد اپنی نظم نمبر ۱۳ (سابقہ نمبر ۸) میں عرض گزار ہیں: ''اے خدا میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس زمانہ میں جب کچھ عرصہ میں نے اِن سخت نافرمانوں کے درمیان گزارا تو نے مجھے چھوڑا نہیں ...... اے خدا تو نے مجھے ان آدم زادوں سے پناہ دی اور اپنی باتوں (قانون) کو اس وقت تک میرے دل میں پوشیدہ رکھا جب تک تو نے میرے بچائے جانے کو ظاہر کر دیا۔ تو نے میری جان کو رنج والم کی گھڑیوں میں نہیں چھوڑا اور روح کی تلخی کے وقت جب میں درد سے کراہ رہا تھا تو تُو نے میری آہ وزاری کو سنا اور میری غم بھری فریادوں کو پایہ قبولیت جگہ دی...... شریر ظالموں نے میرے خلاف دکھوں کے طوفان کھڑے کر دیئے۔ وہ سارا دن میری جان پر ہتھوڑے چلاتے رہے۔ پر اے خدا تو نے اس شدید طوفان کو نرم جھونکوں سے بدل دیا۔ تو نے اس عاجز کی جان کو اس طرح رہائی دلائی جس طرح جال میں پھنسے ہوئے پرندہ اور شیروں کے منہ میں آئے ہوئے شکار کو چھٹکارا دلایا جائے۔''

پھر نظم نمبر ۱۸ (سابقہ نمبر ۱۴) میں استاد خدا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: ''اے خدا میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے ایک غیر آباد زمین کے اندر ندیوں کے چشمہ کے پہلو میں جگہ دی جو خشک زمین کے اندر پانیوں کے چشمہ کے قریب پانی والے باغ کے نزدیک واقع ہے۔'' (صفحہ ۲۷۸)

استاد کی پیشگوئی کہ میرے دشمن قیامت تک مغضوب رہیں گے: نیک استاد اپنی نظم میں یہ پیشگوئی فرماتے ہیں:

''لیکن یہ تیری شریر مخلوق ہمیشہ خدا کے غضب کے نیچے رہے گی۔ یہ تیرا ایسا فیصلہ ہے جو رحم مادر سے لے کر قیامت تک چلتا چلا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اُن راہوں پر چلتے ہیں جو اچھی نہیں۔ انہوں نے تیرے عہد کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے اور حق سے سخت کراہت سے پیش آتے ہیں۔ وہ تیرے احکام پر ہرگز راضی نہیں اور انہوں نے وہ طریق اختیار کیا ہے جسے تو ناپسند کرتا ہے۔ تیری پوشیدہ حکمت نے ان کے لئے سخت عذاب مقدر کر دیا ہے جس کو تیری ساری مخلوق مشاہدہ کرے گی تا ہمیشہ کے لئے یہ ایک عظیم نشان بن جائے اور تمام لوگ تیری شان اور مہیب طاقت کو جان لیں۔'' (صفحہ ۲۵۰-۲۵۱)

اُستاد نے پیشگوئی کی کہ میرے ماننے والے ہمیشہ دوسروں پر غالب رہیں گے: نیک استاد نے اپنی جماعت کے لئے اپنی تعلیم پر مبنی کچھ نصائح لکھیں جو The Exhortaion کے عنوان کے تحت مذکورہ بالا کتاب کے صفحات ۱۲۷ تا ۱۳۶ پر درج ہیں۔ ان میں وہ لکھتے ہیں:

''اور خدا نے ان کے کاموں کو دیکھا کہ پورے دل کے ساتھ خدا کو تلاش کرتے ہیں تو اس نے ان کے لئے ''نیکی کا استاد'' مبعوث کیا تا وہ ان کو خدا کے منشاء کے مطابق چلائے ...... پس وہ تمام جو ان ہدایات کو مضبوطی سے پکڑیں گے اور ان کا چلنا پھرنا شریعت کے مطابق ہوگا۔ جو استاد کی آواز پر لبیک کہیں گے اور خدا کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے کہیں گے کہ اے خدا ہم نے اور ہمارے باپ دادوں نے تیرے عہد کی خلاف ورزی کر کے سخت گناہ کیا ہے۔ ہمارے متعلق تیرے فیصلے حق و حکمت پر مبنی ہیں۔

نیز جو لوگ خدا کے مقصد احکام کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھاتے جو اس کے سچے قوانین اور عہدوں کے مطابق ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیکی کے استاد کی آواز کو سنا ہے۔ اور وہ جنہوں نے جب تقویٰ پر مبنی احکام سنے تو ان کو تخفیف کی نظر سے نہیں دیکھا وہ خوش ہوں گے اور ان کے دل مضبوط ہوں گے اور وہ تمام زمینی لوگوں پر غالب آئیں گے۔ اللہ ان کے قصور معاف فرمائے گا اور وہ نجات پائیں گے کیونکہ وہ خدا کے مقدس نام کی پناہ میں آ گئے ہیں۔''

بھلا بوجھئے کہ ''نیک استاد'' کے پردہ میں خدا کے کون سے فرستادہ ہیں: ایک یہودی جب مذکورہ بالا نشانیوں کو پڑھے گا تو وہ کہے گا کہ نیک استاد کے لبادہ میں مریم کے بیٹے عیسیٰ تو نہیں ہو سکتے ان کو تو ہم نے صلیب پر مار دیا تھا

اور یوں لعنتی قرار پا کر جھوٹے مسیح ٹھہرے تھے۔نعوذ باللہ نہ وہ بچ نکلے تھے، نہ دور کہیں چشموں والی زمین میں چلے گئے تھے۔

ایک عیسائی جب ان علامتوں کو دیکھے گا تو وہ کہے گا کہ یہ 'نیک استاذ' مسیح کیسے ہو سکتا ہے۔ مسیح تو مر کر جی اٹھے تھے اور اپنے زخمی بدن کے ساتھ بادلوں میں ہو کر آسمان پر چلے گئے تھے۔ اگر وہ بچ گئے تھے اور بجائے آسمان کے کسی اور چشموں والے علاقہ میں چلے گئے تھے تو پھر وہ خدا کے بیٹے کیسے ہوئے اور کفارہ کیا ہوا۔

ایک غیر [redacted] بھی 'نیک استاذ' کے لباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں پہچان سکے گا۔ اس لئے کہ اس کے عقیدہ کے مطابق تو وہ صلیب پر چڑھے ہی نہیں، وہ تو کوئی چور تھا جس کی شکل قدرت خداوندی سے عیسیٰ جیسی ہو بہو بنا دی گئی تھی اور صلیب دیا گیا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے بجسد عنصری چوتھے آسمان پر اٹھا لیا۔ نہ ان کا خون بہا، نہ خدا کو اُسے شیروں کے منہ میں آئے ہوئے شکار کی طرح بچانے کی ضرورت پڑی، اور نہ وہ کسی دُور کی زمین میں ہجرت کر گئے تھے۔ اس لئے یہ 'نیک استاذ' عیسیٰ نہیں ہو سکتے وہ کوئی اور خدا کا نیک بندہ ہوگا۔

لیکن ایک احمدی [redacted] کے لئے 'نیک استاذ' کے پردہ میں چھپے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہچان لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ یہ ساری باتیں جو صحائف قمران میں لکھی ہوئی ہیں اور اوپر بیان ہوئی ہیں خدا سے علم پا کر بہت پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاف صاف بیان فرما چکے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی لکھا کہ مجھے خدا نے بذریعہ الہام بتایا ہے کہ ''مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ ۵۶۱-۵۶۲)

پھر ۱۸۹۹ء میں آپ نے اپنی کتاب ''مسیح ہندوستان میں'' تحریر فرمائی اور اس میں قرآن، بائبل اور تاریخ اور حکمت کی کتابوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مخالفوں کی تدبیروں کو ناکام کیا اور صلیب پر موت سے بچا کر انہیں کشمیر کی چشموں والی زمین میں پناہ دی۔

پس صحائف قمران کی شکل میں خدا کا ایک عظیم نشان ظاہر ہوا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن کریم اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ یہ صحائف پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اے یہود! جس مسیح کا تمہیں انتظار تھا وہ تو کب کا آچکا اور اے عیسائیو! حضرت مسیح علیہ السلام نہ خدا کے بیٹے تھے، نہ وہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوئے اور جس خدا کی بادشاہت کا تمہیں انتظار ہے وہ تو ۱۵۰۰ سال پہلے آچکی۔ اور اے مسلمانو! تم آسمان سے کسی عیسیٰ کو اترتے نہ دیکھو گے۔ جو مسیح آنا تھا وہ تو آچکا۔ آؤ اور سبھی اس کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔

قارئین تصحیح فرمالیں: ماہنامہ انصاراللہ اکتوبر ۲۰۰۴ء کے صفحہ ۲۴ پر درستی فرمالیں کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا سن قیام ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء ہے۔

غم سے گذریں حضرتِ مسرور کی باتیں کریں*

آؤ اپنے عہد کے مامور کی باتیں کریں
وادیٔ ایمن میں بیٹھیں طُور کی باتیں کریں

اِک جہاں ہے ظلمتِ چاہِ ضلالت میں اسیر
نار سے اس کو نکالیں نُور کی باتیں کریں

ہر غلط فہمی کو ان کی دُور کرنے کے لئے
مہدیٔ موعود کے منشُور کی باتیں کریں

خوف باطل کا نہ ہو اعلائے حق کی راہ میں
دار پر بھی حضرتِ **منصُور**[1] کی باتیں کریں

وہ جو تھا دستورِ دیں خیر القروں کے دَور میں
عہد حاضر میں اسی دستُور کی باتیں کریں

گرچہ ہے سَیلِ حوادث رہزنِ تسکینِ دل
غم سے گذریں حضرتِ **مسرور**[2] کی باتیں کریں

اِک نگاہِ لطف کی ہے آرزو خاکی مجھے
آپ ان سے طالبِ مہجور کی باتیں کریں

حکیم ماسٹر عبدالرحمٰن خاکی (مرحوم)

1 و 2 حضرت مسیح موعودؑ کے الہامی نام

*مطبوعہ ماہنامہ الفرقان ربوہ ۱۹۶۳ء

جلسہ سالانہ لندن اور جرمنی کے مشاہدات

دلکش روحانی تاثیرات

مکرم مولانا محمد صدیق صاحب گورداسپوری

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے خاکسار کو امسال برطانیہ کے ۳۸ویں اور جرمنی کے ۲۹ویں جلسہ سالانہ میں شریک ہونے کی توفیق عطاء فرمائی۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زیارت اور ملاقات سے مشرف ہونے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے مزار پر حاضر ہو کر دعا کا موقعہ عطا فرمادیا۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اپریل ۲۰۰۳ء کو لندن میں رحلت فرما گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا اور جماعت کو آپ کے ہاتھ پر متحد کر دیا اس وقت سے میرے دل میں ایک خواہش اور تڑپ تھی کہ لندن جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل کروں مگر جسمانی عوارض کے پیش نظر دل میں ایک قسم کا خوف سا طاری تھا کہ اتنا لمبا سفر پھر ایئر پورٹس پر جہازوں کی تبدیلی جیسا مرحلہ کیسے طے ہوگا اس مشکل کے حل کے لئے دعا کرتا رہا۔ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ میرے لئے یہ سفر آسان اور ممکن ہو گیا۔ چنانچہ مورخہ ۲۲ رجولائی کو ہم بذریعہ گلف ایئر لائن صبح ساڑھے چھ بجے لاہور سے بمعہ نمائندگان روانہ ہوئے راستہ میں ۵ گھنٹے ابوظہبی میں انتظار گاہ میں گزارے پھر وہاں سے روانہ ہو کر رات دس بجے ہیتھرو ایئر پورٹ لندن پر اترے جہاں جماعتی انتظام کے مطابق خدام استقبال کے لئے موجود تھے احباب ان کے ساتھ بیت الفضل لندن تشریف لے گئے۔

حضور انور سے ملاقات: اگلے روز مورخہ ۲۳ رجولائی کو بیت الفتوح میں نماز جمعہ ادا کی۔ اس بیت الذکر کو دیکھ کر دل خوشی اور مسرت کے جذبات سے بھر گیا کہ خدا تعالیٰ نے جماعت کو ایسی خوبصورت، کشادہ اور برطانیہ میں سب سے بڑی بیت الذکر تعمیر کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ جہاں پانچوں وقت خدا تعالیٰ کے واحد یگانہ ہونے کی صدا بلند ہوتی ہے۔ نماز کے بعد ناصر ہال میں تمام احباب کے لئے کھانے کا انتظام تھا جہاں ہزاروں احباب نے کھانا تناول کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے روحانی مائدہ کے ساتھ ساتھ لنگر بھی جلسہ میں شامل ہونے والوں کے لئے جاری تھا اور آپ کا فرمان کہ ''دستر خوان کے بچے ہوئے ٹکڑے میری خوراک تھی مگر آج میں بے شمار گھرانوں کو کھانا کھلانے والا ہوں'' بڑی عظمت کے ساتھ پورا ہوتا نظر آرہا تھا۔

مورخہ ۲۴ رجولائی کو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات ہوئی۔ حضور انور نے کمال شفقت اور محبت کے ساتھ مصافحہ اور معانقہ کا شرف بخشا جس سے سفر کی تمام کوفت دور ہو گئی اور دلی مراد پوری ہو گئی۔ پھر حضور نے حالات دریافت فرمائے خاکسار نے احباب کی طرف سے حضور کو سلام پہنچایا اور دعا کی درخواست کی پھر حضور کے ساتھ ایک گروپ فوٹو ہوا۔ یہ لمحہ ہمارے لئے انتہائی

خوشی اور مسرت کا تھا کہ قدرت ثانیہ کے پانچویں مظہر کے ساتھ پہلی ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا تھا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے مزار پر دعا: مورخہ ۲۵ رجولائی بروز اتوار حضور انور نے اسلام آباد (ٹلفورڈ) جلسہ سالانہ کے انتظامات کے معائنہ کے لئے تشریف لے جانا تھا۔ ہم بھی وہاں پہنچ گئے اور وہاں جاتے ہی پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضرت سیّدہ آصفہ بیگم صاحبہ کے مزاروں پر حاضر ہو کر ان کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی۔ وہ پاک وجود جس کی ولولہ انگیز قیادت میں جماعت احمدیہ کو غیر معمولی ترقیات نصیب ہوئیں اور کروڑوں سعید روحیں احمدیت کی آغوش میں آئیں۔ وہ اپنا مشن پورا کر کے اپنے خالق و مالک خدا کے حضور حاضر ہو چکا تھا۔ دل جذبات سے بھر گیا۔

حضور کا خطاب: حضور نے کارکنان جلسہ سالانہ سے خطاب فرمانا تھا۔ حضور تمام انتظامات کے معائنہ کے بعد قریباً ۵ بجے تشریف لائے اور تمام کارکنان جلسہ سے خطاب فرمایا اور انہیں نہایت ہی اہم اور ضروری ہدایات سے نوازا۔ انہیں جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے آنے والے مہمانوں کی حتی المقدور خدمت کی طرف توجہ دلائی۔

جلسہ سالانہ کے ایام: جلسہ سالانہ مورخہ ۳۰ رجولائی ۲۰۰۴ء کو اسلام آباد میں حضور کے خطبہ جمعہ کے ساتھ شروع ہوا اور یکم اگست تک جاری رہا۔ حضور انور نے تینوں روز احباب جماعت کو اپنے پر معارف خطابات سے نوازا نیز علماء سلسلہ کی تقاریر کے علاوہ برطانیہ اور کئی ممالک کے عمائدین اور اہم شخصیات نے بھی حاضرین سے خطاب کیا اور جماعت احمدیہ کی دینی، علمی اور معاشرتی خدمات کو سراہا۔ ان تین دنوں میں جو روح پرور اور ایمان افروز نظارے دیکھنے میں آئے ان سے دل خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء سے بھر گیا کہ کس طرح اُس نے محض اپنے فضل سے نہ کہ ہماری کسی کوشش یا جدوجہد سے جماعت احمدیہ کو ایک دفعہ پھر ایک ہاتھ پر جمع کر دیا ہے اور انہیں خلافت احمدیہ جو حبل اللہ کی حیثیت رکھتی ہے اس کے دامن سے وابستہ کر کے ان میں دینی اخوت و محبت پیدا کر دی ہے جو کسی اور جماعت میں نظر نہیں آتی۔

احباب جماعت کی عقیدت و محبت اور پیار کے نظارے ہر کہیں نظر آ رہے تھے۔ مختلف ممالک سے وفود آئے تھے۔ ہر رنگ و نسل کے لوگ اس روحانی چشمہ سے فیض یاب ہونے کے لئے اکٹھے ہو رہے تھے جو مامور زمانہ حضرت مسیح موعودؑ نے جاری فرمایا تھا اس میں وہ بھی تھے جو پہلے تثلیث کے پیروکار تھے مگر اب احمدیت کی برکت سے دینِ حق کے پیش کردہ خدائے واحد یگانہ کے پرستار بن چکے تھے ان میں وہ بھی تھے جو پہلے بتوں کے پجاری تھے مگر اب وہ خالق حقیقی سے زندہ تعلق پیدا کر چکے تھے ایسے بھی تھے جو خدا تعالیٰ کی ہستی کے منکر تھے مگر اب خدائے مطلق کے قائل ہو چکے تھے ایسے بھی تھے جو محض رسمی طور پر دین حق سے تعلق رکھتے تھے مگر اب مسیح پاک کے دامن سے وابستہ ہو کر دین حق کے جملہ احکامات کی پیروی ان کی روح کی غذا بن چکی تھی اور ان کے اندر غیر معمولی اخلاص صدق و صفا اور زہد و اتقا پیدا ہو چکا تھا۔

اس روحانی اجتماع میں شریک ہونے کے لئے اکناف عالم سے ہر رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے احمدیت کے پروانے اور شیدائی دیوانہ وار وہاں پہنچ رہے تھے اور ان کی آمد ایک عجیب روحانی کیفیت دلوں میں پیدا کر رہی تھی۔ وہ جب ایک دوسرے سے ملتے تو عجیب قسم کا اخوت و محبت کا نظارہ نظر آتا۔

باوجود اس کے کہ جلسہ گاہ گذشتہ سال سے وسیع تر بنائی گئی تھی پھر بھی اس میں حاضرین سما نہ سکے اور بہت سے احباب کو باہر بیٹھ کر جلسہ کی کارروائی سننی پڑی ۷۵ ممالک سے آنے والے ہزاروں کا یہ روحانی اجتماع تھا جو تین دن جاری رہا۔

عالمی بیعت: آخری روز یعنی یکم اگست کو عالمی بیعت کا نظارہ بھی کیف انگیز تھا۔ امسال بیعت کنندگان کی تعداد تین لاکھ سے زائد تھی جن کو اپنے اپنے ملک میں نیز حاضرین جلسہ کو حضور کی اقتدا میں بیعت کے الفاظ اپنی اپنی زبان میں دہرانے کی توفیق ملی خاکسار کو بھی اس میں شرکت کی توفیق ملی اور حضور کے سامنے ایک قطار میں بیٹھ کر بیعت کے الفاظ دہرائے یہ ایک ایسا روحانی اور قلب و روح کو جلا بخشنے والا نظارہ تھا جس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

مربیان کی میٹنگ اور دعوت طعام: جلسہ کے بعد مورخہ ۴/اگست کو جلسہ سالانہ لندن میں شریک ہونے والے مربیان کی ایک میٹنگ بیت الفضل کے ملحقہ زنانہ حصہ میں منعقد ہوئی۔ جس میں حضور انور نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور مربیان سے دعوت الی اللہ کے کام کا جائزہ لیا خصوصاً افریقہ میں کام کرنے والوں سے۔ پھر اس کام کو وسعت دینے کے لئے اور اسے منظم اور مؤثر رنگ میں سرانجام دینے کے لئے بعض ضروری اور اہم ہدایات سے نوازا۔

اسی روز بعد نماز ظہر مربیان کی دعوت کا انتظام تھا جس میں پیارے آقا نے بھی شرکت فرمائی اور حضور کو اپنے درمیان موجود پا کر سب مربیان خوش اور مسرت محسوس کر رہے تھے۔

جرمنی کو روانگی: مورخہ ۱۵/اگست کو لندن سے بلجیئم روانگی ہوئی۔ وہاں سے جرمنی جانا تھا۔ اگلے روز مورخہ ۱۶/اگست کو حضور انور نے لندن سے بلجیئم تشریف لانا تھا۔ لہٰذا ہم بھی مشن ہاؤس پہنچ گئے اور شام کو جب حضور تشریف لائے تو آپ کے استقبال میں شریک ہوئے۔ مورخہ ۱۹/اگست کو جرمنی کے لئے روانہ ہوئے یہ ۵۰۰ کلومیٹر کا سفر بذریعہ کار طے کیا اور من ہائم پہنچ گئے جہاں جرمنی کا جلسہ سالانہ منعقد ہو رہا تھا جماعت احمدیہ جرمنی کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اس جلسہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بنفس نفیس شریک ہو رہے تھے۔ چنانچہ ہمارے وہاں پہنچنے کے معاً بعد حضور بھی تشریف لے آئے اور جلسہ کے انتظامات کے معائنہ کے بعد تمام کارکنان سے خطاب فرمایا اور انہیں نہایت ہی مفید اور ضروری ہدایات سے نوازا۔

انتظامات: مہمانوں کے قیام اور طعام کے انتظامات یہاں بھی قابل ستائش تھے مکرم امیر صاحب جرمنی کی نگرانی میں کارکنان نے نہایت مستعدی کے ساتھ سب انتظامات کو بروقت پایۂ تکمیل کو پہنچایا اور کسی مہمان کو کسی قسم کی کوئی دقت پیش نہ آئی۔

جلسہ سالانہ ایک وسیع و عریض ہال میں منعقد ہوا جس کا افتتاح حضور انور نے اپنے خطبہ جمعہ کے ساتھ فرمایا پھر ایک نہایت ہی پر معارف اور روح پرور خطاب سے نوازا۔ ہال میں ۲۸ ہزار کا مجمع بار بار نعرہ ہائے تکبیر بلند کر رہا تھا۔ جس سے قلب و روح میں عجیب روحانی لذت محسوس ہوئی۔ احمدیت کے یہ پروانے خلافت سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کر رہے تھے یہ ایک عجیب روحانی ماحول تھا پھر ہال کے اندر اور باہر دینی اخوت و محبت کے نظارے بھی دیکھنے میں آ رہے تھے جو صرف اور صرف الٰہی جماعتوں کا خاصہ ہے۔ حضور کے خطاب اور دعا کے بعد یہ تین روزہ روحانی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب

بحیثیت صدر، مجلس انصار اللہ میں خدمات

مکرم محمد ابراہیم صاحب سابق کارکن انصاراللہ

جس طرح پھول کے دیکھنے، اس کی خوشبو سونگھنے مناظر قدرت سے انسان ایک انبساط اور فرحت محسوس کرتا ہے بالکل اسی طرح مخلوقِ خدا میں سے بعض لوگ بھی ایسے ہیں کہ انہیں دیکھ کر خالق کائنات کی کرشمہ سازیوں میں انسان رطب اللسان ہو جاتا ہے اور خدا کے پیدا کردہ حسن و جمال میں انسان گم ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسی ہی پیاری شخصیت کے مالک حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب تھے۔ لمبا قد، سرخ و سفید رنگ، خوبصورت خدوخال، اچکن اور سفید قمیض شلوار میں ملبوس کتنے بھلے معلوم ہوتے تھے۔ کم گو تھے۔ مگر جب بولتے تھے تو گویا حکمت نے پھول جھڑتے تھے۔ تحریک جدید اور انصار اللہ عالمگیر کے سربراہ تھے۔ بارعب شخصیت تھی مگر ملاقات ہوتی تو اس ملاقات کی حلاوت اور شیرینی تادیر طبیعت میں قائم رہتی۔

ساری عمر خدمتِ دین میں گزری، جماعت کے اعلیٰ عہدوں پر کام کیا۔ نہایت صائب الرائے اور دور اندیش واقع ہوئے تھے۔ عالم باعمل، دین و دنیا کے نشیب و فراز سے خوب واقف اور نفسیاتی مسائل کے ماہر تھے ان کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور بے شمار خوبیوں سے مرصّع تھی۔ یہاں آپ کی مجلس انصار اللہ میں خدمات کے حوالے سے کچھ بیان کرنا مقصود ہے۔

مجلس انصار اللہ مرکزیہ میں آپ کی شمولیت: تاریخ انصار اللہ کے حوالہ سے آپ ۱۹۵۶ء میں نائب قائد عمومی کے طور پر نامزد کئے گئے۔ ۵۸-۱۹۵۷ء میں قائد اصلاح و ارشاد رہے۔ ۵۹ء میں قائد خدمت خلق و ایثار بنائے گئے اور ۱۹۶۰ء میں پہلی دفعہ نائب صدر بنے اور ۱۹۶۸ء تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔ نومبر ۱۹۶۵ء میں جب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ۱۹۶۸ء تک حضور، صدر انصار اللہ تو خود ہی رہے مگر انصار اللہ کے کام کی مفصل نگرانی آپ کے سپرد ہو گئی۔ ۱۹۶۸ء کے آخر پر مجلس شوریٰ انصار اللہ عالمگیر نے آپ کو صدر مجلس منتخب کیا۔ اس طرح ۱۹۷۸ء تک آپ صدر انصار اللہ کے طور پر فرائض سرانجام دیتے رہے۔ تیرہ سال تک آپ کو صدر مجلس رہنے کا اعزاز حاصل ہوا۔

مجلس انصار اللہ کی رہنمائی جب حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے سپرد ہوئی تو آپ نے بعض امور

میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی اور بعض نئی چیزوں کو شروع کیا۔جن کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے۔

۱-سنڈے کلاسز کی تحریک: بڑی بڑی مجالس میں جہاں جماعت کے افراد کی تعداد کافی تھی اس امر کی کمی محسوس ہو رہی تھی کہ بچوں کی دینی تعلیم کا معقول انتظام نہیں ہے۔اس لئے آپ نے یہ تحریک فرمائی کہ بڑی مجالس ہفتہ میں حسب حالات کوئی ایک دن ایسا مقرر کرلیں جس میں بچے ایک جگہ جمع ہوسکیں اوران کو مناسب رنگ میں تعلیم وتربیت دی جاسکے۔اس طرح سنڈے کلاس کا اجراء ہوا۔

۲-تحریک خاص انصاراللہ: مجلس انصاراللہ نے بڑھتی ہوئی گرانی کے پیش نظر ۱۹۶۹ء میں مالی حالت کا جائزہ لیا تو اُسے کمزور پایا۔اس کو مضبوط کئے بغیر اس امر کا اندیشہ تھا کہ کہیں کام کی رفتار سست نہ پڑ جائے۔اس صورت حال کی اصلاح کے لئے جہاں آپ نے انصاراللہ کے جملہ اراکین کو اس طرف توجہ دلائی کہ وہ اپنی پوری آمد پر شرح کے مطابق چندہ ادا کریں وہاں مخیّر انصار کو کم از کم یکصد روپیہ بطور عطیہ پیش کرنے کی اپیل کی۔اللہ تعالیٰ نے اس تحریک میں بے حد برکت بخشی۔دوستوں نے دل کھول کر عطایا بھجوائے اور تھوڑی سی مدت میں ایک معقول رقم اس مد میں جمع ہوگئی۔انصار کے اس فراخ دلانہ تعاون کے باعث مالی پوزیشن خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی حد تک مضبوط ہوگئی۔

۳-گیسٹ ہاؤس انصاراللہ: ۱۹۷۳ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریک فرمائی کہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر دوسرے ممالک سے افراد جماعت وفود کی شکل میں مرکز سلسلہ میں آیا کریں۔اس سلسلہ میں باہر سے آنے والوں کے لئے مناسب رہائش کا سوال بھی پیدا ہوتا تھا۔لہٰذا حضور نے ہدایت فرمائی کہ صدر انجمن احمدیہ،تحریک جدید،مجلس انصار اللہ،خدام الاحمدیہ اور لجنہ اپنے اپنے طور پر گیسٹ ہاؤس تعمیر کریں۔صدر مجلس نے حضور کے ارشاد کی تعمیل یہ عزم کیا کہ انصار اللہ کا گیسٹ ہاؤس سب سے پہلے تعمیر ہوگا۔الحمد للہ کہ ایسا ہی ہوا اور مجلس انصاراللہ کو حضور کے ارشاد کی سب سے پہلے تعمیل کرنے کی سعادت حاصل ہوگئی۔

۴-قیادت مجالس بیرون: بیرونی ممالک میں جماعتیں تیزی سے قائم ہو رہی تھیں اور پرانی جماعتیں کافی حد تک منظم ہو چکی تھیں اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہاں پر بھی ذیلی تنظیموں کا نظام قائم کر دیا جائے۔اس ضرورت کے پیش نظر قیادت مجالس بیرون کا قیام عمل میں لایا گیا۔اس قیادت کے تحت بیرونی مشنز سے رابطہ قائم کر کے مجلس کا لائحہ عمل اور دستور اساسی ان کو بھجوایا جاتا رہا۔اور ہدایات دی جاتی رہیں کہ مقامی طور پر جہاں جہاں ممکن ہو تنظیمیں قائم کی جائیں۔

۱۹۷۸ء تک انگلستان میں چودہ مقامات مثلاً لندن، ساؤتھ ہال، کرائیڈن، برمنگھم، جلنگھم، یارک شائر، بریڈفورڈ وغیرہ میں باقاعدہ مجالس قائم ہو چکی تھیں۔امریکہ میں واشنگٹن، نیویارک، شکاگو، ٹپس برگ، ڈیٹن اور کلیولینڈ میں مجالس قائم

ہوگئی تھیں۔ ان کے ماہوار اجلاس قرآن کریم کا درس، حسب موقعہ وقار عمل اور یوم التبلیغ منانے کا انتظام کیا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ جزائر فجی میں صوا، لٹوکا، ناندلی اور مارو کے مقامات پر مجالس سرگرم عمل تھیں۔ سری لنکا، برما، کینیڈا، جرمنی، نائیجیریا، غانا، سیرالیون، آئیوری کوسٹ، کینیا، ماریشس اور انڈونیشیا میں بھی مجالس قائم ہوچکی تھیں۔

۵۔ قیادت قلم دوستی: بیرونی ممالک کے افراد سے تعلق اور رابطہ بڑھانے کے لئے قلم دوستی کی قیادت قائم کی گئی۔ اس قیادت کا کام یہ تھا کہ بیرون ممالک کے افراد سے پاکستانی انصار کا تعارف کروایا جائے اور ان کے درمیان قلم دوستی کا سلسلہ قائم کیا جائے۔

۶۔ یتامیٰ کی خبرگیری کی تحریک: یتامیٰ کی خبرگیری کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث کے ارشادات کے تابع آپ کے دل میں زور سے یہ تحریک ہوئی کہ اراکین انصاراللہ منظم طریق پر اپنی کوششوں کو بروئے کار لائیں تو انسانیت کی بڑی خدمت ہوگی اور ہم بہتر رنگ میں اس فرض کو ادا کرسکیں گے۔ چنانچہ آپ نے قائد ایثار کو یہ ہدایت دی کہ وہ مجالس سے رابطہ قائم کرکے یتامیٰ کے بارے میں ضروری کوائف جمع کروائیں۔

اس تحریک کے پیش نظر کمیٹی قائم ہوئی جس نے یہ تجاویز دیں۔

۱　ہر جگہ یتامیٰ کی اخلاقی، دینی اور تعلیمی امور کی نگرانی کے لئے مناسب افراد بطور گارڈین مقرر کئے جائیں۔

۲　الفضل اور ماہنامہ انصاراللہ میں اس تحریک کی اہمیت کے بارہ میں مضامین شائع کرائے جائیں۔

۳۔　قائدین اور انسپکٹران انصاراللہ اپنے دوروں میں بالخصوص اجتماعات کے موقعوں پر اس کی اہمیت واضح کریں اور جائزہ لیں کہ کیا کام کیا جارہا ہے اور یہ بھی دیکھیں کہ یتیم بچے اپنی عمر کے لحاظ سے متعلقہ تنظیموں کے پروگراموں میں حصہ لے رہے ہیں۔

۷۔ بیرونی مجالس اور ضلعی اجتماعات میں شرکت: ربوہ سے باہر بڑی بڑی مجالس اور ضلعی تربیتی اجتماعات میں مرکزی نمائندگان اور خود صدر مجلس کی شرکت انصاراللہ کے پروگرام کا اہم حصہ ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے نمائندگان بھجوانے کے ساتھ ساتھ ضلعی اور بڑی مجالس کے اجتماعات اور عہدیداران کے اجلاسات میں اپنی شمولیت کا سلسلہ بھی جاری رکھا آپ کے ان دورہ جات سے مجالس اور خود انصاراللہ کی بیداری اور کام کو آگے بڑھانے میں بڑی مدد ملی۔ ضلعی ناظمین اور زعمائے اعلیٰ کی بڑی خواہش ہوتی تھی کہ حضرت میاں صاحب بنفس نفیس ان کے پروگراموں میں شرکت فرمائیں مگر مرکز میں آپ کی مصروفیات اور بیرون پاکستان تحریک جدید کے دورہ جات اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تحریک جدید کی نمائندگی کے بعد جو وقت بچتا تھا وہ ضرور مجالس کو عطا فرماتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں

تربیتِ اولاد

مکرم ڈاکٹر محمد احمد اشرف صاحب

انسانی فطرت میں اولاد سے محبت کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے۔ انسانی معاشرہ اسی جذبے کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے۔ لیکن جس طرح باقی سب جذبات کے غلط اور ناجائز استعمال سے بُرے نتائج نکل آتے ہیں اسی طرح یہ جذبہ بھی بعض اوقات بُرے نتائج پیدا کرسکتا ہے۔ بے جالاڈ اور پیار سے بچے بگڑ بھی جاتے ہیں۔ اُن میں بہت سی بُری عادات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں اور وہ دنیا کے لئے بجائے مفید ہونے کے نقصان دہ بلکہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔

ایک دانشمند انسان نہ تو اولاد سے محبت میں کمی کر کے بے رحم بنتا ہے اور نہ بے جا محبت کر کے اپنی اولاد کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس سلسلے میں انسان کو ایک کامل نمونہ کی ضرورت ہے۔ تا کہ وہ اُس کی پیروی کر کے اس جذبے کو صحیح استعمال کر سکے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کو اُسوہٗ حسنہ قرار دیا۔ اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں جب ہم آنخضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے اُسوہ حسنہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) آپ نے نیک اولاد کی خاطر نیک اور دین دار بیوی کے انتخاب کی نصیحت فرمائی ہے۔ کیونکہ اولاد کی تربیت میں عورت کا بہت بڑا دخل ہے بچپن میں اولاد کی زیادہ نگرانی ماں کے سپرد ہوتی ہے کیونکہ بچہ ماں کے پاس زیادہ وقت گزارتا ہے اور بچپن میں طبعاً ماں کی طرف رغبت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ماں نیک اور بااخلاق ہوگی تو بچوں کو شروع ہی سے تربیت کی اچھی بنیاد میسر ہوگی۔

(۲) آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے بعد بچے کی پیدائش سے بھی پہلے اُس کی تربیت کی فکر اور دعاؤں کی تاکید فرمائی ہے۔ خصوصاً یہ دُعا اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَارَزَقْتَنَا کہ اے خدا ہمیں بھی شیطان سے محفوظ رکھنا اور جو کچھ تو ہمیں عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔ اس طرح ایک تو ایسا شخص جو یہ دعا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے نیکی طلب کرتا ہے اُسے بچے عطا کئے جاتے ہیں تو وہ تربیت سے غافل نہیں رہتا۔

علم النفس کے ماہرین کی شہادتوں سے بھی یہ امر ثابت ہے کہ بچہ کے اخلاق پر ماں باپ کے خیالات اور جذبات کا

بہت اثر ہوتا ہے- برٹش میڈیکل جرنل میں شائع شدہ ایک سائنسی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ

''رحمِ مادر میں بچہ ایسی آوازوں پر بھی ردِعمل ظاہر کرتا ہے جو یا تو بہت ہی آہستہ ہوتی ہیں یا بہت بلند- ایسی آوازوں کو بڑے آدمی کا کان بھی نہیں سن سکتا- اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کان کے علاوہ بھی کوئی ایسا حساس نظام ماں کے پیٹ میں موجود ہوتا ہے جو اور کہیں نہیں ہوتا کیونکہ یہ نظام پیدائش کے بعد ساتھ نہیں ہوتا-''

گویا حمل کے ابتدائی دنوں میں رحمِ مادر میں ہی اللہ تعالیٰ نے بچے کو ایسی صلاحیتیں عطا کر دی ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ دورانِ حمل مائیں ایسے اعمال بجا لائیں اور ایسے نیک کام کریں جو بچے کی ان قدرتی استعدادوں کی ترقی کا ذریعہ ہوں اور انہیں نقصان نہ پہنچائیں بلکہ یہ صلاحیتیں زیادہ واضح طور پر پروان چڑھنے والی ہوں- اسی طرح حاملہ عورت کی ذہنی، جذباتی، جسمانی ضروریات کی تکمیل بھی صحت منداولاد کے لئے از حد ضروری امر ہے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ارشادات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے بیوی سے کمال حسن سلوک کی تعلیم دی ہے- حمل کے دنوں میں وہ اور بھی زیادہ عمدہ سلوک کی مستحق ہوتی ہیں-

(۳) بچے کی پیدائش کے بعد آنحضورؐ نے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنے کا حکم دیا- دراصل اذان کے الفاظ میں قرآنی تعلیم کا خلاصہ آ جاتا ہے- اور یہ الفاظ دوہرانے میں ایک یہ اشارہ مقصود ہے کہ بچے کے دل و دماغ میں تعلیم کا ایک نقش قائم ہو جائے- دوسرے صحیح بخاری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی درج ہے کہ اذان شیطان کو دھتکار دیتی ہے- اذان دے کر گویا بچے کو شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھا گیا ہے- تیسرے والدین کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ بچے کی تربیت کا زمانہ اُس کی پیدائش کے وقت سے شروع ہو چکا ہے خواہ وہ بظاہر بات کو سمجھے یا نہ سمجھے والدین کو علم ہونا چاہئیے کہ بچہ اُن کے ہر فعل کو دیکھ رہا ہے اور سُن رہا ہے پھر جدید سائنسی تحقیق سے بھی یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انسان کے دماغ کا ایک حصہ ایسا ہے کہ بچپن میں بچہ جو سنتا ہے وہ اُس کو اخذ کرتا ہے اور لاشعور میں محفوظ کر لیتا ہے- اور وقت آنے پر وہ اسے خود بخود یاد آ جاتا ہے- یعنی لاشعور سے استفادہ کا نظام قائم ہے-

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں-

''پس اس میں کوئی شک نہیں کہ ذہن ضرور ریکارڈ کرتا ہے اور پھر اس سے استفادہ بھی کرتا ہے- اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا سسٹم ضرور ہے ورنہ بچے کے ایک کان میں اذان دینا اور دوسرے کان میں تکبیر یعنی اقامت کہنا یہ بھی ایک لغو فعل بن جاتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی شان کے خلاف ہے- اور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے اور حضور اکرمؐ ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے...... آپ کی زندگی کا ایک ذرّہ بھی تعلیم قرآنی کے خلاف نہیں- پس یقیناً اللہ

تعالیٰ نے سب کانشس برین سے کانشس برین کے استفادہ کا نظام قائم کیا ہوا ہے اور اس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم فرمودہ علمی اور تربیت کا نظام نہ صرف حیرت انگیز ہے بلکہ قیامت تک کے استفادہ کے لئے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (الفضل ۴ رمئی ۱۹۸۳ء)

(۴) آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچے کا نام بھی اچھے اور نیک معانی والا پسند فرماتے۔کوئی شخص اپنی ساری زندگی جو لفظ سب سے زیادہ مرتبہ سنتا ہے وہ شاید اُس کا نام ہی ہوگا۔ وہ نام اگر نیک اور اچھے معنوں والا ہوگا تو بچے کے خیالات بھی نیک اور پاکیزہ ہونے کی توقع ہے اور یہ بھی کہ وہ اسم بامسمّٰی بننے کی کوشش کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض افراد کے نام اس لئے بھی تبدیل فرمائے کہ اُن کے معنی مناسب نہیں تھے۔

(۵) نوزائیدہ بچے کی خوراک کے سلسلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ بچے کو دودھ پلانے سے ماں اور بچے دونوں کو حد درجہ فوائد حاصل ہوتے ہیں اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم یعنی قرآن کریم کی سچائی کے بے شمار ثبوتوں میں سے ایک ثبوت یہ بھی ہے کیونکہ آج سے صدیوں پہلے جب ماں کے دودھ کا کیمیائی تجزیہ کرنے کی سہولتیں بھی موجود نہ تھیں اور سائنسدان ماں کے دودھ کے فوائد پر تحقیقات کرنے سے بھی قاصر تھے اُس وقت قرآن کریم نے نوزائیدہ بچے کی غذا تجویز فرمائی -اور اُس کا ایک معین عرصہ بھی مقرر کیا گیا۔

(۶) پیدائش کے بعد ساتویں دن آنحضورؐ بچے کا عقیقہ کرتے لڑکی کی طرف سے ایک بکرا اور لڑکے کی طرف سے دو بکرے قربانی کو زیادہ پسندیدہ خیال فرماتے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک حکمت یہاں بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ اظہار ہے اس امر کا بھی کہ پیدا ہونے والے بچے کے اخلاق کی تربیت لازمی ہے محض اُسے کھلانا پلانا اور آرام سے رکھنا ہی ضروری نہیں۔ کیونکہ کھا پی کر تو یہ محض حیوان ہوگا اور اگر حیوان بنانا ہی مقصود ہوتا تو حیوان تو وہ جانور بھی تھا جو اس کے لئے قربان کر دیا گیا۔ پس جانور کی قربانی دے کر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہم نے اس بچے کو بااخلاق اور باخدا بنانا ہے محض کھلا پلا کر موٹا کر کے دُنبہ نہیں بنانا...... اگر دُنبہ ہی بنانا مقصود ہوتا تو ایک پلے پلائے دُنبہ کو اس ہفت روزہ بچے کے لئے کیوں ذبح کرایا جاتا۔ اس کی بجائے بچہ ہی ذبح کر کے دُنبے کو کیوں نہ گھر میں باندھ لیا جاتا۔

(۷) ساتویں دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بچے کا سر بھی منڈوایا کرتے تھے اور اس کے سر کے بالوں کو تول کر ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کیا کرتے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس بچے کی تعلیم و تربیت میں یہ مدّ نظر نہیں رکھا جائے گا کہ یہ بڑا ہو کر محض دنیا کمائے بلکہ مال یعنی چاندی سونا تو ایسی حقیر چیزیں ہیں کہ اس کے کاٹ کر پھینک دیئے جانے والے بالوں کے برابر

بھی نہیں پھر یہ خود کس طرح محض سونے چاندی کے لئے پیدا کیا گیا ہے- اس کی پیدائش کی غرض تو خدا کا حصول اور روحانی ترقی حاصل کرنا ہے-

(۸) بچے کی بہترین نشو ونما، اچھی صحت اور عمدہ تربیت کے لئے صفائی ایک اہم کردار ادا کرتی ہے- یہی وجہ ہے کہ آنحضورؐ کا فرمانا ہے کہ صفائی ایمان کا حصہ ہے- چھوٹی عمر ہی سے بلکہ ایام رضاعت ہی میں آنحضورؐ بچوں کی صفائی کا نہایت اہتمام سے خیال فرمایا کرتے تھے- آپؐ اپنے صاحبزادے ابراہیم کو دیکھنے کے لئے اُس کی دایہ کے گھر تشریف لے جاتے بچے کو منگوا کر پیار کرتے اور سونگھتے- اس سونگھنے سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفائی کا کس قدر خیال تھا- ہوسکتا ہے کہ بچہ دیکھنے میں صاف ستھرا نظر آئے مگر سونگھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسے پوری صفائی سے رکھا گیا ہے یا نہیں- اس لئے آپؐ صرف دیکھنے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اچھی طرح سُونگھ کر معلوم کرتے کہ بچے کو واقعتاً صاف ستھرا رکھا جاتا ہے یا نہیں- بچے کو صاف رکھنے کے بارے میں حضرت مصلح موعود..... فرماتے ہیں-

''اگر بچہ ظاہر میں صاف ہو تو اس کا اثر اس کے باطن پر پڑے گا اور اس کا باطن بھی پاک ہوگا- کیونکہ غلاظت کی وجہ سے جو گناہ پیدا ہوتے ہیں اُن سے بچا رہے گا- یہ بات طب کی رو سے ثابت ہوگئی ہے- بچہ میں پہلے گناہ غلاظت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں-'' (منہاج الطالبین انوار العلوم جلد ۹ صفحہ ۲۰۲)

(۹) حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اُسے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه سکھادو- حضرت امام حسنؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک فقرہ حفظ کروایا تھا جو ابھی تک یاد ہے اور وہ یہ ہے

''دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلیٰ مَالَا یُرِیْبُکَ'' (صحیح بخاری)

یعنی چھوڑ دے وہ بات جو بُری اور شبہ والی ہو اور اختیار کر وہ بات جو اچھی اور شبہ سے پاک ہو- آنحضورؐ نے دیکھا کہ آپ کا نواسہ بولنے لگ گیا ہے- اگر اچھے کلمات نہ سکھائے تو بُری یا فضول باتیں مُنہ سے نکالے گا اس لئے آپ نے مختصر سا جملہ انہیں یاد کروا دیا جو آئندہ کے لئے حضرت امام حسن کے ہمیشہ کام آیا- اس طرح آپ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو دعائیں سکھاتے تھے اور اُن کے لئے خود بھی دعائیں کیا کرتے تھے-

(۱۰) جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کی ترغیب دینی چاہیئے اور اس سے پہلے ہی اس کو نماز کے الفاظ اور دعائیں یاد کروا دینی چاہئیں- اور جب بڑا ہو جائے اور باہر چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو اُسے فحشاء اور دیگر برے کاموں سے بچانے کے لئے ہدایت فرمائی ہے کہ نماز کا حکم دو- اگر مسلسل کئی سال کی کوشش کے بعد بھی نماز نہ پڑھے تو اس کی سرزنش کی جائے- نماز بچے کو بدی سے بچا کر دین کی طرف راغب کرنے اور اس کی اچھی تربیت میں از حد مدد گار بنتی ہے- اگر بچہ بچپن ہی میں نماز کا عادی ہو جائے اور خدا تعالیٰ سے رشتہ جوڑ لے تو وہ ہرگز ضائع نہیں ہوتا- (جاری ہے)

دل کی لذت

لذتیں بکھری ہوئی ہیں شش جہت میں ہر طرف
ذوق گر تجھ میں نہیں تو ان کا ، انکاری نہ ہو
غور کر تیرے ہی اندر کوئی بیماری نہ ہو

ان گنت خوش کن نظاروں سے سجی ہے کائنات
گر نہیں نورِ بصارت تو یہ سب بے کار ہے

....

نغمگی ہے چار سُو کانوں کی لذت کے لئے
ہو نہ گر حُسنِ سماعت سُر بھی اک آزار ہے
لذتیں ہیں بے پناہ کام و دہن کے واسطے
فائدہ کیا ذائقے کی حِس اگر بیمار ہے
ریشمی نرمی ہو یا ہو کھردرا پن جو بھی ہو
لذتِ خوشبو گلاب و یاسمن کی کیا کہوں

اس سے بڑھ کر ہیں خیال و فکر کی بھی لذتیں
عشق میں رُخسار و لب کے ذکر کی بھی لذتیں

اُلجھے عقدوں، گتھیوں کو کھولنے کی لذتیں
خامشی کی لذتیں اور بولنے کی لذتیں
قیصری کی لذتیں ہیں خسروی کی لذتیں
دوسری جانب ہیں عشق و دلبری کی لذتیں
مال و جاہ کی لذتیں ہیں افسری کی لذتیں
ظالموں کو ظلم میں غارت گری کی لذتیں
ایک اک حسن کے لئے بے شک جدا ہیں لذتیں
ریت کے ذروں سے بھی جگ میں سوا ہیں لذتیں
دل کی لذت ہے مگر اُس یار کی پہچان میں
اک سرورِ بیکراں دلدار کی پہچان میں
نور جس دل میں نہ ہو وہ جان سکتا ہی نہیں
بے نشاں محبوب کو وہ مان سکتا ہی نہیں
عقل کے جلتے ہیں پر اُس کو سمجھ آتی نہیں
دل کی لذت ظاہری جِس میں سما پاتی نہیں
ذوقِ بن عرشی مگر ادراک ہوتا ہے کہاں
جس نے چکھا یہ مزہ راتوں کو سوتا ہے کہاں

محترمہ ارشاد عرشی صاحبہ

قریشی محمد عبداللہ صاحب کی

ایک خودنوشت تحریر

مخلص خادم سلسلہ مخدوم قریشی محمد عبداللہ مرحوم ابن حضرت قریشی شیخ محمد صاحب (رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام) ۲۳ اور ۲۴ر اکتوبر ۲۰۰۴ء کی درمیانی رات ہارٹ اٹیک سے وفات پا گئے۔ آپ کی عمر ۹۱ سال تھی۔

آپ کو قریباً ۶۴ سال تک مختلف حیثیتوں میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان میں خدمات کا موقع ملا۔ آپ نے تعلیم الاسلام کالج کے ہیڈکلرک، نائب افسر خزانہ، محاسب اور آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ اور آڈیٹر انصاراللہ مرکزیہ کے طور پر خدمات سر انجام دیں۔ آپ کو ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہندوستان کے وقت جماعتی اثاثوں کی منتقلی کے لئے تاریخی خدمات کا موقعہ ملا۔ اس سلسلے میں آپ کی ایک تحریر پیش ہے جو دلچسپ بھی ہے اور اُن نامساعد حالات کی یاد دلاتی ہے جس میں سیّدنا حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) کی پُرعزم قیادت میں جماعت نے داغ ہجرت سہا تھا۔ آپ کی یہ تحریر ادارہ ہذا کے پاس محفوظ ہے۔

''اگست ۱۹۴۷ء کے آخری جمعہ کی نماز کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے (بیت) اقصیٰ قادیان میں ہمارے محاسب مکرم مرزا عبدالغنی صاحب کو بلا کر زبانی ہدایت دی کہ آپ تو آج فوراً لاہور جا کر وہاں خزانہ کا دفتر سیٹ (Set) کریں۔ اور اپنے ساتھ جسے چاہے لے جائیں اُنہوں نے میرا نام ہی پیش کیا۔ حضور نے فرمایا ٹھیک ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب تین لاکھ روپیہ خزانہ سے برآمد کروا کر بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچ گئے اور مجھے ہدایت دی کہ تم کل صبح بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچ جانا۔ چنانچہ دوسرے دن میں بھی (بیت) اقصیٰ سے فجر کی نماز پڑھتے ہی دارالحمد پہنچ گیا اور اپنے ساتھ ایک روزنامچہ اور کچھ رسید بکس لے کر بذریعہ ہوائی جہاز عازم لاہور ہو گیا۔ لاہور ایئرپورٹ پر پہنچا تو وہاں مکرم عبدالغنی صاحب اور مکرم شیخ بشیر احمد صاحب مجھے لینے کے لئے پہنچے ہوئے تھے جہاز سے اُترتے ہی مَیں مکرم شیخ صاحب اور مکرم مرزا صاحب کے ساتھ بذریعہ کار شیخ بشیر احمد صاحب کی کوٹھی پہنچا وہاں بے شمار لوگ شیخ صاحب کی کوٹھی پر موجود تھے۔ یہ کوٹھی نمبر ۳۸ مال لاہور تھی۔ جو انجمن احمدیہ نے چند ماہ قبل ہی خرید کی تھی۔ اس کوٹھی میں بے شمار لوگ آئے ہوئے تھے کہ اچانک ایک احمدی بزرگ نے آگے بڑھ کر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب سے کہا کہ جناب میرے پاس اللہ کا مال ہے یہ تو لے لیں بصد مشکل فسادات میں بچا کر لایا ہوں۔ شیخ صاحب نے مجھے فرمایا کہ قریشی صاحب آپ کا کام تو شروع ہو گیا ہے۔ میں نے کہا میں بھی تیار ہوں مگر میں نے بیٹھنا کہاں ہے۔ فرمایا یہ مجھے نہیں پتہ آپ دیکھتے نہیں کہ یہاں تو کھڑے ہونے کو جگہ نہیں۔ چنانچہ میں نے کہا ٹھیک میں نے اِدھر اُدھر برآمدے میں دیکھا اور ایک طرف کونے میں سٹول لے کر بیٹھ گیا اور احباب سے کہا کہ آئیے چندہ میرے پاس

جمع کروادیں۔لوگ فوراً میرے پاس پہنچ گئے اور روپیہ مجھے ادا کرنا شروع کر دیا۔

مکرم مرزا عبدالغنی صاحب محاسب کو ہدایت تھی کہ کسی مسلم بینک میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام سے اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں روپیہ جمع کرادیا کریں۔ چنانچہ انہوں نے حبیب بنک لاہور سکوئر برانچ میں اکاؤنٹ کھلوادیا تھا۔ میں نے دوپہر تک جو رقم میرے پاس جمع ہوئی تھی وہ اس اکاؤنٹ میں جمع کرادی عصر تک پھر میرے پاس ساٹھ ہزار کے قریب رقم جمع ہوگئی۔ میں نے مکرم مرزا عبدالغنی صاحب محاسب کو کہا کہ میرے پاس اتنی رقم جمع اور ہوگئی ہے جو میرے پاس ایک روپیہ کے بیگ میں رکھی تھی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ میں کہاں رکھوں شیخ بشیر احمد صاحب کو کہیں کہ وہ رکھ لیں میں نے شیخ صاحب کو کہا تو انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا نہ بابا ناں میں کہاں رکھوں میں نے کہا ٹھیک ہے نہ آپ رکھیں اور نہ مرزا عبدالغنی صاحب اب گویا اس کی حفاظت بھی میرا ہی کام ہے جس کا لاہور میں نہ گھر ہے نہ گھاٹ۔ میں نے اپنے اسی ایک روپیہ کے بیگ میں اُسے رکھ لیا اور ساتھ وصولی بھی کرتا رہا۔ عصر و مغرب کے درمیان معمولی عرصہ کے لئے شیخ بشیر احمد صاحب کی بیٹھک خالی ہوتی تو میں نے جلدی سے وہاں پڑے ہوئے ایک صوفہ کے نیچے سپرنگوں میں اپنا کیش کا بیگ ٹھونس دیا اور اُس پر بیٹھ گیا تو کچھ دیر بعد مکرم مرزا عبدالغنی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ روپیہ کہاں رکھا ہے۔ میں نے کہا جب آپ نے بھی جواب دے دیا اور شیخ صاحب نے بھی تو اب تو میری ذمہ داری ہے۔ اب میں نہیں بتاؤں گا کہ میں نے کیش کہاں رکھا ہے۔ وہ دونوں خاموش ہوگئے۔ وہ رات اور اُس سے اگلی دو تین راتیں اسی طرح گزارتا رہا۔ سارے دن کی وصولی بنک میں جمع کرا آتا اور اس کے بعد کی وصولی مذکورہ طریق سے صوفہ سیٹ میں رکھتا رہا۔ اس کے بعد جو وہاں بلڈنگ میں ایک کمرہ دفتر محاسب کے لئے مل گیا اس میں ایک پرانی شیلف پڑی تھی میں نے اُسے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد پہلے جلسہ سالانہ پر ربوہ کی سرزمین میں پہنچے۔ یہاں میں کیشئر خزانہ صدر انجمن احمدیہ کا کام کرتا رہا۔ عجیب اتفاق کہ میرے ساتھ میرا اسسٹنٹ مظفر احمد بھی کام کر رہا تھا۔ کہ ایک دن میرا یکصد روپیہ شارٹ ہوگیا۔ اس کے بعد پندرہ دن کے بعد پھر یکصد روپیہ کم ہوگیا اور ایک ماہ بعد پھر یکصد روپیہ کم ہوگیا حیران پریشان کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ نہ کسی کو بتا سکوں کہ افسر بھی کہے گا کہ اب آپ کام کرنے کے قابل نہیں رہے اس وقت ہمارے محاسب چوہدری سعید احمد صاحب عالمگیر تھے لیکن آخر انہیں بتانا ہی پڑا وہ بھی پریشان میں نے کہا کہ روپیہ تو مجھے پورا کرنا ہی ہے وہ تو میں ہی کروں گا ایک دن میں چھٹی پر تھا اور میرا اسسٹنٹ مظفر احمد ہی کام کرتا تھا دوسرے دن دفتر آیا تو اُس نے کہا کہ قریشی صاحب میرا بھی یکصد روپیہ کم ہوگیا ہے۔ سخت پریشانی ہوئی۔ چلتے پھرتے سوتے جاگتے دعا بھی کرتا تھا کہ ایک دن دس بجے کے قریب کام کرتے ہوئے مجھے بڑے زور سے آواز آئی کہ چور فلاں ہے۔ یہ آدمی عارضی چوکیدار رکھا گیا تھا جب اُسے تحقیق کے لئے ایک ذمہ دار دوست کے سپرد کیا گیا تو اس نے بتا دیا کہ میں نے ہی قریشی صاحب اور ان کے اسسٹنٹ کے چار صد روپے چوری کئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی تھی وہ سچ ثابت ہوگئی اور اس طرح اللہ نے ہمارا نقصان پورا کروادیا۔"

بلاتبصرہ

ملکی اخبارات ورسائل سے اخذ کردہ فکر انگیز تحریریں

مرسلہ: مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب

''واحد حل''

جناب چوہدری رحمت علی صاحب نظام خلافت کو مسائل کا واحد حل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہماری زمین پر ایک ایسا سنہری دور بھی گزرا ہے جسے دنیا والے ''خلافت راشدہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جس میں رزق کی فراوانی اس قدر تھی کہ زکوٰۃ دینے والے بہت تھے، مگر زکوٰۃ لینے والے کم پڑ گئے۔ ہر محتاج، کمزور، بے بس، یتیم، بیوہ، بے روزگار کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔ صرف انسانوں کے لئے ہی روٹی، کپڑے، مکان، تعلیم، علاج وغیرہ کا انتظام نہیں تھا، خلیفۂ وقت کو یہ فکر بھی دامن گیر رہتی تھی کہ دور کہیں فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر گیا تو کل قیامت کے روز اس کی باز پرس ہوگی۔ یہی وہ دور تھا جس میں خلیفۂ وقت اور اس کے ملازم کو ایک تاریخی سفر میں باری باری سواری کا استعمال کرتے دیکھا گیا۔ پھر یہی وہ مبارک دور تھا جس میں ایک عورت زیورات پہنے ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک سفر کرتی، لیکن اللہ کے سوا اسے دوسرا کوئی خوف لاحق نہیں ہوتا تھا۔

ایک وہ دور تھا اور ایک یہ دور ہے جس سے آج ہم گزر رہے ہیں۔ اندرون ملک ہم اہل پاکستان آج سودی نظام، دہشت گردی، فحاشی، بے روزگاری، مہنگائی، رشوت، بدعنوانی، ناانصافی، فرقہ واریت جیسے گھمبیر مسائل سے دوچار ہے۔ عالمی سطح پر ارزانی ہے تو خون مسلم کی اور بربادی ہے تو عصمت مسلم کی۔ فلسطین، کشمیر، افغانستان، بوسنیا، چیچنیا، عراق غرضیکہ دنیا بھر میں غلبہ ہے تو کفار و رسوائی کا، امت مسلمہ مجبور و مغلوب ہے، اقوام عالم میں مسلمانوں کا کوئی مقام نہیں۔ ذلت و رسوائی کی حد یہ ہے کہ اقوام متحدہ میں چھپن کے چھپن مسلمان ممالک اگر کوئی متفقہ قرارداد پاس کر لیں تو ایک ''مسلم دشمن ویٹو'' اس کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔ بدنصیبی دیکھئے کہ امت مسلمہ اپنے دفاع کے لئے ساز وسامان تک غیر مسلموں سے لیتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دور خلافت راشدہ اور موجودہ دور میں اتنا بڑا فرق کیسے واقع ہو گیا؟ ہمارے پاس اللہ کی آخری کتاب اسی طرح موجود ہے۔، جیسے خلافت راشدہ کے دور میں تھی، سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ من وعن موجود ہے۔ علمائے کرام کی کوئی کمی نہیں، واعظوں، مبلغوں اور خطیبوں کا کوئی قحط نہیں۔ دار العلوموں، یونیورسٹیوں کی بہتات ہے، ایٹم بم تک بنانے والے سائنسدان اور ہنر مند بھی موجود ہیں۔ اللہ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام پر تن، من، دھن سے قربانی دینے والوں کی بھی قطعاً کوئی کمی نہیں۔ نشان مرکزیت ...... خانہ کعبہ آج بھی اپنی پوری رعنائیوں اور شادابیوں کے ساتھ صفحۂ ہستی پر موجود ہے۔ اسلامی دنیا کے پاس آبادی، سرمایہ، رقبہ اور دیگر وسائل کی بہتات ہے ،جبکہ دنیا کا سب سے بڑا ہتھیار معدنی تیل مسلمان سرزمینوں پر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ان تمام اعزازات اور انعامات کے باوجود امت مسلمہ ذلیل وخوار ہے تو کیوں؟ نیو ورلڈ آرڈر نے آج مسلم دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے، تو کیوں؟ دنیا بھر کے مسلمان سب کچھ ہونے کے باوجود اغیار کی بیساکھیوں پر کھڑے ہیں تو کیوں؟ آخر دور خلافت راشدہ میں کیا تھا، جو آج ہمارے پاس نہیں اور جس کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانان عالم کو آج یہ انتہائی برے دن دیکھنے پڑے ہیں؟

آج کے دور کا، دور خلافت راشدہ سے موازنہ کریں تو جو سب سے بڑا فرق نظر آتا ہے، یہ ہے کہ اس وقت قرآن و سنت پر مبنی نظام خلافت موجود تھا، جو آج دنیا بھر میں کہیں نہیں۔ اس وقت زیرآسمان اس دھرتی پر اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ قوانین پر مبنی نظام خلافت تھا، تو آج مسلم اور غیر مسلم دنیا میں بندوں کے خودساختہ قوانین اور آئین پر مبنی جمہوریت واشتراکیت جیسے باغیانہ نظام موجود ہیں۔ اس وقت جب پوری اسلامی دنیا کے ذرائع ووسائل ایک خلیفہ کے ہاتھ میں مجتمع تھے، جس کی اطاعت بھی اللہ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت کے بعد لازم تھی، تو مسلمانوں کے پائے کی کوئی دوسری طاقت زمین پر نہیں تھی، بعینہٖ آج باون یا ترپن امریکی ریاستوں کی باگ دوڑ ایک صدر کے ہاتھ میں ہے تو دنیا میں آج اس کے پائے کی کوئی دوسری طاقت نہیں۔

پٹڑی سے امت مسلمہ کی گاڑی اتری تو اس وقت جب ایک خلیفہ کے بجائے ان گنت ملوک آدھمکے......

روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب ہماری موجودہ پستی کا واحد سبب نظام خلافت سے انحراف ہے تو اس کا واحد حل نظام خلافت کی بحالی ہے۔ نظام خلافت کو بحال کرنے کا مطلب ہے کہ

- پوری اسلامی دنیا کو ایک جھنڈے تلے یعنی ایک خلیفہ کی سربراہی میں لایا جائے۔
- موجودہ چھپن یا ستاون مسلم ممالک کو صوبوں کی شکل دے کر اور پھر باہم مدغم کر کے کرۂ ارض پر ایک عظیم تر اسلامی مملکت بنام ''دارالسلام'' کو معرض وجود میں لایا جائے۔
- قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دارالسلام یعنی مجوزہ اسلام کی مملکت واحدہ کا آئین قرار دیا جائے۔

بحالیٔ خلافت کی ایک آسان صورت یہ ہوسکتی ہے کہ موجودہ تمام مسلمان سربراہان کسی ایک جگہ (خواہ او آئی سی کے پلیٹ فارم) پر جمع ہو کر سب سے پہلے اپنے رب کے حضور تائب ہوں، پھر اپنے میں سے ایک اہل تر کو خفیہ رائے دہی کے ذریعہ خلیفۃ المسلمین چن لیں، باقی صوبوں (موجودہ مسلم ممالک) کے گورنر بن جائیں۔ اس طرح پوری مسلم دنیا ایک خلیفہ کی سربراہی میں آجائے گی تو دیکھتے ہی دیکھتے ان شاءاللہ مسلم دنیا کی کایا پلٹ جائے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا ٹھنڈے پیٹوں نہیں ہو پائے گا۔ مسلم عوام کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ بہر صورت اپنے سربراہان کو یہ ''ایک کام'' کرنے پر آمادہ کریں۔''

(روزنامہ پاکستان لاہور ۲۸ /جولائی ۲۰۰۴ء)

قرارداد تعزیت بروفات مکرم ڈاکٹر محبوب ربانی صاحب، مکرم خالد ربانی صاحب، محترمہ منزہ ربانی صاحبہ

ہم ممبران مجلس عاملہ زعامت علیا بیت النور لاہور اپنے بہت ہی پیارے بھائی مکرم افضال ربانی صاحب منتظم اصلاح و ارشاد و زعیم حلقہ گارڈن ٹاؤن لاہور سے ان کے چچا جناب محبوب ربانی صاحب، ان کے بھائی محترم خالد ربانی صاحب نیز ان کی ہمشیرہ منزہ ربانی کی اچانک ایک ہفتہ کے اندر اندر اموات پر دلی دکھ، ہمدردی اور اظہار تعزیت کرتے ہیں۔

(۱) مکرم ڈاکٹر محبوب ربانی صاحب آف گجرات حضرت ملک عطاء اللہ صاحب رفیق حضرت اقدس کے صاحبزادے تھے۔ عارضہ قلب کی وجہ سے بغرض علاج لاہور لایا گیا جہاں وہ بعمر ۶۳ سال وفات پا گئے۔ آپ کی تدفین ربوہ میں ہوئی۔

(۲) مکرم خالد ربانی صاحب ابن مکرم بشارت ربانی صاحب جو حضرت ملک عطاء اللہ صاحب کے پوتے تھے مورخہ ۳۰ ستمبر ۲۰۰۴ء کو اچانک بوجہ ہارٹ اٹیک کینیڈا میں وفات پا گئے۔ تدفین کے لئے جنازہ ربوہ لایا گیا۔ جہاں مرحوم کو مورخہ ۷؍اکتوبر ۲۰۰۴ء کو سپرد خاک کیا گیا۔ مرحوم نے بیوہ اور چار بچے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔

(۳) آپ کی ہمشیرہ محترمہ منزہ ربانی صاحبہ اپنے بھائی کی وفات کی خبر سن کر گجرات میں اپنی ضعیف والدہ کی دلجوئی اور انکی دیکھ بھال کے لئے آ رہی تھیں کہ راستہ میں حادثہ کا شکار ہو گئیں۔ شدید زخمی حالت میں لاہور لایا گیا لیکن زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے بھائی مکرم خالد ربانی صاحب کی تدفین سے ایک روز قبل بعمر ۴۳ سال اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ و انا علیہ راجعون۔ مرحومہ نے اپنے پسماندگان میں تین معصوم بچے چھوڑے۔

ان المناک وفاتوں پر ہم مکرم افضال ربانی صاحب نیز ان کی والدہ محترمہ اور ان کے بھائی مکرم اشفاق ربانی صاحب امیر جماعت فرانس اور تمام لواحقین سے دلی اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کو اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے، ان کے درجات بلند فرمائے نیز تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیشہ اپنی حفظ و امان میں رکھے اور اپنے فضلوں سے نوازتا چلا جائے۔

(ہم ہیں ممبران مجلس عاملہ انصاراللہ زعامت علیا بیت النور لاہور)

اخبار مجالس

(۱) مجلس انصاراللہ گلشنِ جامی کراچی ○ پکنک: مورخہ ۱۵؍ستمبر ۲۰۰۴ء کو مجلس انصاراللہ گلشنِ جامی کراچی نے اپنی سالانہ پکنگ ساحل سمندر ہاکس بے پر منائی جس میں ۳۰ افراد شامل ہوئے۔

(سفیر احمد باجوہ زعیم اعلیٰ)

(۲) مجلس انصاراللہ مغل پورہ لاہور: مجلس انصاراللہ مغل پورہ لاہور کے زیر اہتمام مورخہ ۱۴؍اگست ۲۰۰۴ء کو یوم آزادی کے سلسلہ میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا۔ جس میں تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کے کردار پر تقاریر کی گئیں۔ جلسہ میں ۱۱۵ افراد شامل ہوئے۔ اسی طرح مورخہ ۵؍ستمبر ۲۰۰۴ء کو ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں یوم دفاع کے حوالے سے قربانیاں دینے والے احمدی شہداء کا تذکرہ کیا گیا۔ پروگرام میں ۱۲۷ افراد شامل ہوئے۔

(محمد سرور ظفر، زعیم اعلیٰ مغلپورہ لاہور)

سالانہ مقابلہ ۲۰۰۴ء کے مقالہ نگار احباب

بعنوان ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سفر لاہور وسیالکوٹ ۱۹۰۴ء''

(قیادت تعلیم)

قیادت تعلیم مجلس انصاراللہ پاکستان نے ۲۰۰۴ء کے لئے سالانہ مقابلہ بعنوان مسیح موعودؑ کا سفر لاہور وسیالکوٹ ۱۹۰۴ء انصار کو مقالہ نویسی کی دعوت دی۔ پاکستان کی مجالس کی طرف سے ۱۳۷/احباب نے مقالات بھجوائے۔ جن کے اسماء درج ذیل ہیں۔

ضلع لاہور: دارالسلام (۱) عبداللطیف بنگوی صاحب، (۲) محمد سعید اختر صاحب، (۳) محمد یونس جاوید صاحب بھاٹی گیٹ (۴) نصراللہ خان صاحب بیت التوحید (۵) محمد اسحاق چوہدری صاحب (۶) مکرم محمد ارشاد حسین صاحب (۷) مکرم منیر احمد بٹ صاحب (۸) عبدالکریم خالد صاحب نشاط کالونی (۹) نعیم احمد صدیقی صاحب (۱۰) حبیب اللہ مظہر صاحب ٹاؤن شپ (۱۱) ملک مبارک احمد صاحب چھاؤنی (۱۲) سید توقیر مجتبیٰ صاحب جوہر ٹاؤن (۱۳) عبدالعزیز منگلا صاحب (۱۴) عبدالشکور اسلم صاحب، (۱۵) منصور احمد صاحب (۱۶) منیر مسعود صاحب (۱۷) فہیم الدین ارشد صاحب (۱۸) عطاءاللہ ڈار صاحب دارالذکر (۱۹) بشارت احمد صاحب، (۲۰) خواجہ محمد سلطان صاحب (۲۱) لیاقت علی صاحب دہلی گیٹ (۲۲) محمد الیاس بقا پوری صاحب، (۲۳) مظفر احمد ناگی صاحب (۲۴) مجید احمد بشیر صاحب ڈیفنس (۲۵) رشید خالد صاحب شاہدرہ ٹاؤن (۲۶) محمد نعیم طاہر صاحب شالامار ٹاؤن (۲۷) بشارت احمد مرزا صدیقی صاحب (۲۸) کریم احمد خان صاحب گلبرگ (۲۹) میاں محمد سعید صاحب (۳۰) عبدالحفیظ گوندل صاحب سلطان پورہ (۳۱) بشیر احمد صاحب سمن آباد (۳۲) عبدالشکور صدیقی صاحب کوٹ لکھپت (۳۳) عبدالشکور صاحب مغل پورہ (۳۴) نصیر احمد قریشی صاحب (۳۵) منور علی شاہد صاحب (۳۶) محمد سرور ظفر صاحب (۳۸) میاں محمد یوسف صاحب، (۳۹) ناصر سلیم اختر صاحب شالامار ٹاؤن (۴۰) نور الٰہی بشیر صاحب بیت النور (۴۱) مظفر احمد قریشی صاحب، (۴۲) شیخ اثمار احمد صاحب (۴۳) ظفر احمد خان صاحب کیولری گراؤنڈ (۴۴) تنویر احمد خان صاحب (۴۵) ممتاز احمد گھمن صاحب ضلع لاہور (۴۶) محمد منیر صاحب بھماں نانوڈوگر (۴۶) محمد ظفراللہ صاحب ہانڈو گجر (۴۷) چوہدری مبشر احمد صاحب پدری (۴۸) محمد بوٹا صاحب بیت الاحد (۴۹) مرزا لطیف احمد صاحب فیکٹری ایریا (۵۰) ڈاکٹر محمد صادق جنجوعہ صاحب

ضلع کراچی: بلدیہ ٹاؤن (۵۱) ماسٹر محمود احمد ڈرگ کالونی (۵۲) مظفر احمد ملک صاحب (۵۳) عطاء الرحمٰن طاہر صاحب (۵۴) مبارک احمد ہاشمی صاحب (۵۵) محمد ظفراللہ صاحب عزیز آباد (۵۶) مسعود احمد ظفر صاحب کلفٹن (۵۷) جمیل احمد بٹ صاحب کورنگی (۵۸) محمود احمد ونیس صاحب گلستانِ جوہر (۵۹) محمد فضل احمد صاحب (۶۰) ملک خلیل احمد ناصر صاحب گلشن اقبال شرقی (۶۱) منصور احمد لکھنوی صاحب (۶۲) سید محمد میاں شاہجہانپوری صاحب، (۶۳) قریشی فائق محی الدین صاحب گلشن جامی (۶۴) کرنل وسیم احمد صاحب، (۶۵) سفیر احمد باجوہ صاحب، (۶۶) سلیمان احمد شاہد صاحب ماڈل کالونی (۶۷) امتیاز حسین شاہد صاحب (۶۸) حمید احمد وقار صاحب (۶۹) صوفی محمد اکرم صاحب، (۷۰) راجہ سعید احمد صاحب (۷۱) طاہر محمود

صاحب (۷۲) چوہدری عبدالباسط صاحب، (۷۳) مصور احمد طاہر صاحب، (۷۴) سید منیر احمد صاحب (۷۵) نصیر احمد صاحب (۷۶) اشرف نواز صاحب مارٹن روڈ (۷۷) شیخ عبدالمالک صاحب (۷۸) ملک محمد یامین صاحب (۷۹) ھبۃ اللہ کاہلوں محمود آباد (۸۰) ملک طاہر احمد خان صاحب نارتھ کراچی (۸۱) عبدالمنان شاہکوٹی صاحب

ربوہ: دارالفتوح شرقی (۸۲) مرزا محمد اقبال صاحب دارالفضل شرقی (۸۳) منصور احمد ظفر صاحب دارالنصر غربی الف (۸۴) محمد شریف ننگلی صاحب دارالفتوح غربی (۸۵) ظہور احمد صاحب نصیر آباد رحمان (۸۶) محمد سلیم جاوید صاحب (۸۷) حافظ محمد اشرف صاحب کوارٹر تحریک جدید (۸۸) سید منصور احمد بشیر صاحب دارالعلوم جنوبی احمد (۸۹) چوہدری شریف احمد علوی صاحب دارالفتوح (۹۰) عبدالسمیع صاحب باب الابواب (۹۱) محمد اکرم خان فیض صاحب دارالعلوم شرقی برکت (۹۲) منظور احمد صاحب دارالرحمت شرقی ب (۹۳) یونس احمد خادم صاحب دارالنصر شرقی (۹۴) مبارک احمد خان صاحب دارالرحمت غربی (۹۵) قاضی مسرور احمد بھٹی صاحب دارالعلوم شرقی نور (۹۶) پروفیسر محمد اسلم سجاد صاحب دارالنصر غربی اقبال (۹۷) محمد نسیم صاحب فیکٹری ایریا (۹۸) عمر حیات صاحب دارالعلوم جنوبی احمد (۹۹) عبدالحمید خلیق صاحب

ضلع فیصل آباد: دارالنور (۱۰۰) قدرت اللہ صاحب تلونڈی (۱۰۱) میاں عبدالحفیظ صاحب فضل عمر (۱۰۲) شیخ محمد جمیل صاحب (۱۰۳) کرامت اللہ ملک صاحب دارالحمد (۱۰۴) مظفر حسین صاحب دارالذکر (۱۰۵) فیصل محمد اکرم احسان صاحب (۱۰۶) عزیز احمد سنوری صاحب (۱۰۷) حمید احمد صاحب (۱۰۸) ملک محمد سجاد اکبر صاحب، (۱۰۹) حامد منصور صاحب

ضلع راولپنڈی: راولپنڈی (۱۱۰) داؤد احمد ملک صاحب راولپنڈی صدر (۱۱۱) اعجاز الحق قریشی صاحب پشاور روڈ راولپنڈی (۱۱۲) میجر راشد پرویز صاحب چکلالہ سکیم (۱۱۳) میاں عبدالباسط صاحب

ضلع سیالکوٹ: ریلوے (۱۱۴) رشید احمد میلو صاحب سیالکوٹ شہر (۱۱۵) محمد انور چوہدری صاحب، (۱۱۶) فخر الحق صاحب، (۱۱۷) چوہدری سعید طاہر صاحب (۱۱۸) ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب

ضلع قصور: کوٹ رادھا کشن (۱۱۹) محمد ادریس جاوید صاحب، (۱۲۰) محمد اسحاق طاہر صاحب شاہ تاج ٹیکسٹائل مل (۱۲۱) محمد اشرف باجوہ صاحب قصور شہر (۱۲۲) جمیل الدین صاحب (۱۲۳) حمید اللہ سیال صاحب جوڑہ قطبہ ضلع قصور (۱۲۴) حبیب اللہ تسلیم صاحب کھر پڑ (۱۲۵) چوہدری محمد اقبال صاحب

متفرق: ٹکڑا ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ (۱۲۶) ماسٹر نذیر احمد صاحب اسلام آباد شرقی (۱۲۷) چوہدری مبارک علی حسنات صاحب (۱۲۸) محمد یوسف بقاپوری صاحب منگلا ضلع جہلم (۱۲۹) محمد انور گوگا صاحب حافظ آباد (۱۳۰) ڈاکٹر ناصر احمد جاوید صاحب سرگودھا (۱۳۱) برکت اللہ منگلا صاحب (۱۳۲) نصیر احمد وڑائچ صاحب کوئٹہ (۱۳۳) آفتاب جمال صاحب گوجرانوالہ شرقی (۱۳۴) علی اکبر صاحب نصیرہ ضلع گجرات (۱۳۵) صغیر حسین شاہ صاحب کھاریاں ضلع گجرات (۱۳۶) محمد یعقوب امجد صاحب شیخوپورہ (۱۳۷) پروفیسر محمد ثناء اللہ صاحب

انتخاب از کلام سیّدنا حضرت مصلح موعود......

دستِ کوتہ کو پھر درازی بخش
خاکساروں کو سرفرازی بخش

جیت لوں تیرے واسطے سب دل
وہ ادا ہائے جاں نوازی بخش

پانی کر دے علومِ قرآن کو
گاؤں گاؤں میں ایک رازی بخش

روح فاقوں سے ہو رہی ہے نڈھال
ہم کو پھر نعمتِ حجازی بخش

بُتِ مغرب ہے ناز پر مائل
اپنے بندوں کو بے نیازی بخش

رُوحِ اقدام و دُور بینِ نگاہ
قلبِ شیر و نگاہ بازی بخش

پائے اقدس کو چوم لوں بڑھ کر
مجھ کو تو ایسی پاکبازی بخش

سر گرانی میں عمر گذری ہے
سروری بخش سرفرازی بخش

سیّدالانبیاءؐ کی امّت کو
جو ہوں غازی بھی وہ نمازی بخش

ہوں جہاں گرد ہم میں پھر پیدا
سند باد اور پھر جہازی بخش

میرے محمود بن مرا محمود
مجھ کو تو سیرتِ ایازی بخش

Monthly **ANSARULLAH** December 2004

Ph: 04524-212982 Fax: 04524-214631 (Chenab Nagar 35460)
E-mail: ansaar40@yahoo.com

Regd. #: CPL-34/CR-03

EDITOR: NASRULLAH KHAN NASIR

لمبی عمر پانے کا نسخہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"دُوسروں کے لئے دُعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دُوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں، اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ (الرعد:۱۸) اور دوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں، اس لئے خصوصیت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جا سکتی ہے۔ وہ یہی دعا کی خیر جاری ہے جبکہ خیر کا نفع کثرت سے ہے تو اس آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دُعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو دُنیا میں خیر کا موجب ہوتا ہے۔ اس کی عمر دراز ہوتی ہے اور جو شرّ کا موجب ہوتا ہے۔ وہ جلدی اُٹھا لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں شیر سنگھ چڑیوں کو زندہ پکڑ کر آگ پر رکھا کرتا تھا۔ وہ دو برس کے اندر ہی مارا گیا۔ پس انسان کو لازم ہے کہ وہ خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ یَّنۡفَعُ النَّاسَ بننے کے واسطے سوچتا رہے اور مطالعہ کرتا رہے۔ جیسے طبابت میں حیلہ کام آتا ہے۔ اسی طرح نفع رسانی اور خیر میں بھی حیلہ ہی کام دیتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اس تاک اور فکر میں لگا رہے کہ کس راہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۵۳)